

# اصول عقائد

افادات

مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ  
متکلم اسلام

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا پاکستان

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## اصول عقائد

افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَالْعَصْرُ (۱) إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ (۲) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّصُوا

بِالْحَقِّ ۗ وَتَوَّصُوا بِالصَّبْرِ (۳)﴾

ترجمہ: زمانے کی قسم بے شک وہی انسان کامیاب ہے جس کا عقیدہ درست ہو، عمل سنت کے مطابق ہو، صحیح عقیدہ اور سنت عمل کی تبلیغ و اشاعت بھی کرتا ہو اور اگر اس تبلیغ و اشاعت پر مصائب و پریشانیاں آئیں تو ان پر صبر بھی کرتا ہو۔

### شریعت کے اجزاء:

اگر شریعت کے اجزاء کی تفصیلی تقسیم کی جائے تو شریعت کے اجزاء پانچ ہیں؛

1: اعتقادات

2: عبادات

3: اخلاقیات

4: معاشرات

5: معاملات

اگر شریعت کے اجزاء کی درمیانی تقسیم کی جائے تو شریعت کے اجزاء تین ہیں؛

1: اعتقادات

2: عبادات

3: اخلاقیات

اور اگر شریعت کے اجزاء کی مختصر تقسیم کی جائے تو شریعت کے اجزاء دو ہیں؛

1: اعتقادات

2: اعمال

## عقیدہ

### عقیدہ کا لغوی معنی:

1: مَا عَقِدَ عَلَيْهِ الْقَلْبُ وَالضَّمِيرُ. (المنجد: ص 519 مادہ ع ق د)

ترجمہ: انسان اپنے دل و ضمیر کو جس کا پابند بنائے اسے عقیدہ کہتے ہیں۔

2: مَا تَدَيَّنَ بِهِ الْإِنْسَانُ وَاعْتَقَدَهُ. (المنجد: ص 519 مادہ ع ق د)

ترجمہ: جس کو انسان اپنا دین بنائے اور اس کا اعتقاد رکھے اسے عقیدہ کہتے ہیں۔

### عقیدہ کا اصطلاحی معنی:

شیخ عبد اللہ بن عبد الحمید الاثری لکھتے ہیں:

هِيَ الْأُمُورُ الَّتِي يَجِبُ أَنْ يُصَدِّقَ بِهَا الْقَلْبُ، وَتَطْمَئِنَّ إِلَيْهَا النَّفْسُ حَتَّى تَكُونَ يَقِينًا ثَابِتًا لَا يُمَارِجُهَا رَيْبٌ، وَلَا يُخَالِطُهَا شَكٌّ.

(الوجيز في عقيدة السلف الصالح لعبد اللہ بن عبد الحمید الاثری: ص 13)

ترجمہ: عقیدہ ان چیزوں کا نام ہے جن کی دل سے تصدیق و اطمینان ضروری ہے اور ان کے بارے میں ایسے یقین کا حصول ضروری ہے جس میں شک و شبہ کی آمیزش نہ ہو۔

## عمل

عمل سے مراد ”عبادات“ ہیں۔

### عبادت کا لغوی معنی:

محمد بن ابی بکر بن عبد القادر الرازی رحمہ اللہ ت 660ھ لکھتے ہیں:  
الْعِبَادَةُ؛ الطَّاعَةُ.

(مختار الصحاح: ص 205 باب العین)

ترجمہ: عبادت کا معنی اطاعت کرنا ہے۔

### عبادت کا اصطلاحی معنی:

امام علی بن محمد بن علی المعروف میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ ت 816ھ لکھتے ہیں:  
فِعْلُ الْمُكَلَّفِ عَلَى خِلَافِ هَوَى نَفْسِهِ تَعْظِيمًا لِرَبِّهِ.

(کتاب التعريفات: ص 105 باب العین)

ترجمہ: عبادت کا معنی ہے مکلف آدمی کا اپنے رب کی تعظیم کی وجہ سے اپنے نفس کی خواہش کی مخالفت کے باوجود عمل کرنا۔

## عقیدہ اور عمل میں فرق

### فرق نمبر 1:

عقیدہ اصل ہے اور عمل فرع ہے، جو فرق اصل اور فرع میں ہے وہی فرق عقیدہ اور عمل میں ہے۔

توضیح:

عقیدہ کی مثال عدد کی ہے جو اصل ہے اور عمل کی مثال صفر کی ہے جو کہ فرع ہے۔ اور عدد اور صفر میں چند فرق ہیں:

[1]: عدد صفر کے بغیر ایک بھی ہو تو اس کی قیمت ہے اور صفریں عدد کے بغیر جتنی بھی ہوں تو بے قیمت ہیں۔ اسی

طرح عقیدہ عمل کے بغیر بھی قیمتی ہے اور عمل جتنے بھی ہوں بغیر عقیدہ کے بے قیمت یعنی بغیر اجر و ثواب کے ہیں۔

مثال:

مؤمن غیر صالح جس کے پاس ایک نیکی بھی نہ ہو، صرف ایمان ہو تو اس کی بھی قیمت ہے اور کافر صالح (جس کے پاس

کچھ اچھے اعمال ہوں) کے پاس چونکہ ایمان نہیں ہے اس لیے اس کے جتنے بھی اعمال ہوں وہ بے قیمت ہیں۔

[2]: صفر کے ساتھ عدد آئے تو صفر کی قیمت بن جاتی ہے اور عدد کے ساتھ صفر آئے تو عدد کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح

عمل اگر عقیدے کے ساتھ ہو تو عمل کی قیمت بن جاتی ہے اور عقیدے کے ساتھ عمل ہو تو عقیدے کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔

مثال:

کافر کے عمل کے ساتھ اگر ایمان شامل ہو جائے تو کافر کے عمل کی قیمت بن جاتی ہے اور مؤمن کے ایمان کے ساتھ اگر

عمل بھی مل جائے تو مؤمن کے ایمان کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔

[3]: صفر کو دائیں کے بجائے عدد کے بائیں جانب لگائیں تو صفر کی قیمت نہیں بنتی۔ اسی طرح عمل کی قیمت بھی اس وقت ہوتی

ہے جب اپنے مقام پر ہو، اگر مقام بدل جائے تو عمل بے قیمت یعنی بے اجر و ثواب ہو جاتا ہے۔

مثال:

اگر فجر کی نماز سورج نکلنے سے پہلے پڑھ لی جائے تو قیمتی یعنی عند اللہ مقبول ہے کیونکہ یہ اپنے مقام پر پڑھی گئی ہے، اور اگر

عین سورج نکلنے وقت پڑھی جائے غیر قیمتی یعنی عند اللہ غیر مقبول ہے، کیونکہ اب یہ اپنے مقام پر نہیں پڑھی گئی۔

[4]: صفر دائیں جانب ایک ہو تو بھی قیمتی ہے اور اگر بائیں جانب بہت زیادہ ہوں تو بھی بے قیمت ہیں بلکہ جتنی صفریں بڑھتی

جائیں گی اتنا نقصان ہوتا جائے گا، وقت کا ضیاع، سیاہی کا ضیاع اور کاغذ کا ضیاع۔ بالکل اسی طرح عمل اپنے مقام پر تھوڑا ہو تو بھی

قیمتی یعنی مفید ہو گا اور اگر اپنے مقام پر نہ ہو تو جتنا بھی زیادہ ہو بے قیمت یعنی بلا اجر و ثواب، مفید ہونے کے بجائے باعثِ زجر

و عذاب ہو گا۔ سنت تھوڑی بھی ہو تو مفید ہے، بدعات جتنی زیادہ ہوں اتنا نقصان ہے۔

مثال:

سورج نکلنے کے پندرہ منٹ بعد اگر آپ دو رکعت پڑھیں گے اشراق ہوگی سنت ہے بہت اجر ہے اور اگر سورج نکلنے کے فوراً بعد دس رکعات بھی پڑھیں تو بے فائدہ اور بے قیمت بلکہ اگر اسے سنت سمجھ کر پڑھیں گے تو یہ بدعت بھی ہوگی اور گناہ بھی بہت زیادہ ہوگا۔

فرق نمبر 2:

عقیدہ کا محل ”دل“ اور عمل کا محل ”بدن“ ہے، جو فرق دل اور بدن میں ہے وہی عقیدہ اور عمل میں ہے اور یہ دو فرق

ہیں:

[1]: جو چیز جتنی قیمتی ہو اس کے رکھنے کا محل بھی اتنا محفوظ ہوتا ہے اور جو اس سے نسبتاً کم ہو اس کے رکھنے کا محل بھی نسبتاً کم محفوظ ہوتا ہے۔

مثال:

♦ سونا، جو اہرات اور زیادہ قیمتی ہوتا ہے تو اسے لاک میں رکھ کر باہر گارڈ کھڑا کیا جاتا ہے۔

♦ کپڑا، جو تا قیمت میں زیادہ ہے تو اندر ہوتا ہے۔

♦ سبزی، آلو، پیاز وغیرہ قیمت میں کم ہیں تو یہ باہر پڑے ہوتے ہیں۔

عقیدہ چونکہ زیادہ قیمتی تھا اس کا محل دل کو بنایا، عمل نسبتاً کم قیمتی تھا اس کا محل اعضائے بدن کو بنایا۔

[2]: قلب کے بعض اجزاء کٹ جائیں تو بندہ مر جاتا ہے اور اعضائے جسم میں سے بعض اعضا کٹ جائیں تو بندہ زندہ رہتا ہے

اگرچہ کمزور اور ناقص ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ضروریات دین میں سے کوئی ایک عقیدہ چھوٹ جائے تو بندہ ایمان سے نکل کر

کفر میں چلا جاتا ہے، اور اگر ضروریات اہل السنۃ والجماعۃ میں سے کوئی ایک عقیدہ چھوٹ جائے تو بندہ اہل السنۃ والجماعۃ سے نکل

کر اہل بدعت میں شامل ہو جاتا ہے، اور اگر کچھ اعمال چھوٹ جائیں تو بندہ مومن ہی رہتا ہے اگرچہ کمزور اور ناقص ایمان والا یعنی

فاسق ہو جاتا ہے۔

ضروریات دین کی مثال:

ایک بندہ سارے عقائد مانتا ہے لیکن عقیدہ توحید کو نہیں مانتا تو اسلام سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی

طرح ایک بندہ سارے عقائد کو مانتا ہے لیکن ختم نبوت کو نہیں مانتا تو اسلام سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

ضروریات اہل السنۃ والجماعۃ کی مثال:

ایک بندہ تمام عقائد کو مانتا ہے لیکن عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا تو یہ اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہو کر

اہل بدعت میں داخل ہو جاتا ہے۔

## عقیدہ کی اہمیت

”اعتقاد“ اصل ہے، ”عمل“ فرع ہے۔ صحیح اعتقاد کے بغیر آخرت کے عذاب سے نجات ممکن نہیں جبکہ عمل صالح کے بغیر نجات کی امید ہے، البتہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اپنی رحمت سے معاف فرمادیں اور چاہیں تو قانونِ عدل سے سزا دیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ 150ھ فرماتے ہیں:

وَمَا كَانَ مِنَ السَّيِّئَاتِ دُونَ الشِّرْكِ وَالْكَفْرِ وَلَمْ يَنْبُ عَنْهَا صَاحِبُهَا حَتَّى مَاتَ مُؤْمِنًا فِي مَشِيئَةِ اللَّهِ تَعَالَى إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَلَمْ يُعَذَّبْ بِالنَّارِ أَصْلًا.

(الفقه الاکبر: ص 4)

ترجمہ: شرک اور کفر کے علاوہ جتنے بھی گناہ ہیں اگر ان کا مرتکب توبہ کیے بغیر حالتِ ایمان میں فوت ہو جائے تو ایسے شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو اسے معاف فرمادے اور جہنم کا عذاب بالکل نہ دے۔

دلیل نمبر 1:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾

(سورة النساء: 48)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات کو کبھی معاف نہیں کرتے کہ اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے لیکن شرک کے علاوہ اور گناہ معاف کر دیتے ہیں۔

دلیل نمبر 2:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۗ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ﴾

(سورة الاعراف: 40)

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان کو ماننے سے منہ موڑا تو ایسے لوگوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں بھی داخل نہیں ہو پائیں گے جب تک کوئی اونٹ کسی سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہو جاتا۔ ہم مجرموں کو ایسے ہی بدلہ دیتے ہیں۔

دلیل نمبر 3:

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ (سورة

الكهف: 105)

ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا اور اس کے سامنے حاضری انکار کیا اس لیے ان کے سارے اعمال ضائع ہو

گئے۔ قیامت کے دن ہم ان کے لیے کوئی میزان قائم نہیں کریں گے۔

دلیل نمبر 4:

﴿وَلَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ ۖ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَسِرِينَ﴾

(سورة الزمر: 65)

ترجمہ: آپ کی طرف اور آپ سے پہلے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی بھیجی گئی کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

فائدہ:

اس مقام پر خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔

علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی المعروف خازن (ت 741ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَهَذَا خُطَابٌ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُرَادُ بِهِ غَيْرُهُ لِأَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ عَصِمَ نَبِيَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الشِّرْكِ.

(تفسیر الخازن: ج 4 ص 66)

ترجمہ: اس آیت میں خطاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا ہے لیکن مراد کوئی اور (یعنی مطلق انسان) ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شرک سے محفوظ رکھا ہے۔

اس آیت کی دوسری وضاحت یہ ہے کہ اس میں خطاب ہی امت کو ہے۔ اس پر دلیل باری تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَ

إِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ ۖ﴾ یعنی یہ وحی جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجی گئی ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام ہیں ان کو بھی بھیجی گئی ہے کہ ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ تو یہ مشترک وحی ہے اور مقصد امت کو متنبہ کرنا ہے کہ شرک بہت عظیم جرم ہے جس سے بچنے کا حکم پہلی امتوں کو بھی تھا اور آپ کی امت کو بھی ہے۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

سوال:

آپ کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص کفر پر مرتا ہے تو اس کے عمل کا اجر نہیں ملے گا جبکہ قرآن کریم میں ہے:

﴿مَا سَأَلَكُمْ فِي سَفَرٍ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمَسْكِينِ﴾

(سورة المدثر: 42 تا 44)

ترجمہ: (اہل جنت جب اہل جہنم سے پوچھیں گے کہ) تمہیں کس وجہ سے جہنم میں جانا پڑا؟ تو جہنمی بتائیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

یہ سوال کفار سے کیا جا رہا ہے کہ تم جہنم میں کیوں گئے ہو؟ کفار نے اس کی وجہ یہ بتانی ہے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور

مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ اگر کافر کو کوئی عمل قبول ہی نہیں ہے تو پھر یہ کفار نیک اعمال نہ کرنے کو جہنم میں داخلے کا سبب

کیوں قرار دے رہے ہیں؟ یعنی نیک عمل نہ کرنے کی وجہ سے جہنم میں جانا تبھی ہو سکتا ہے جب کافر کا نیک عمل قبول بھی ہو۔

### جواب:

ایک ہوتا ہے ”نفسِ عذاب“ اور ایک ہوتا ہے ”اشتدادِ عذاب“۔ نفسِ عذاب کی بنیاد تو کفر ہے اور اشتدادِ عذاب کی بنیاد نماز نہ پڑھنا اور صدقہ نہ دینا ہے۔ تو کفر کی وجہ سے عذاب ہو گا اور نماز نہ پڑھنے اور صدقہ نہ دینے کی وجہ سے عذاب میں اضافہ ہو گا۔ کفار جو سقر میں جانے کا سبب نماز نہ پڑھنے اور صدقہ نہ کرنے کو قرار دے رہے ہیں تو اس سے مراد اشتدادِ عذاب کا سبب بتانا ہے۔

چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) اس کا بہت عمدہ جواب دیتے ہیں:

”سقر میں دو چیزیں ہوں گی: تعذیب و زیادتِ تعذیب۔ پس ممکن ہے کہ مجموعہ اعمال مذکورہ سبب ہو مجموعہ تعذیب و زیادتِ تعذیب کا اس طرح کہ کفر و تکذیب تو سبب ہو تعذیب کا اور ترکِ صلوة و غیرہ سبب ہو زیادتِ تعذیب کا، اور غیر مکلف بالفروع ہونے کے معنی یہ کہے جاویں گے کہ ان فروع پر نفسِ تعذیب نہ ہوگی اور زیادتِ تعذیب اس لیے ہو کہ ضمن اصول میں تو آخر ان فروع کے بھی مکلف ہیں۔ بس تکلیفِ ضمنی سبب ہو جاوے زیادتِ کا۔“

(تفسیر بیان القرآن: ج 3 ص 611)

### فائدہ:

عقیدہ ایک بھی خراب ہو تو اسلام کی ساری عمارت خراب ہو جاتی ہے۔

إِنَّ الْعَقَائِدَ كُلَّهَا أَسُّ لِإِسْلَامِ الْفِتْنَى  
إِنَّ ضَاعَ أَمْرٌ وَاحِدٌ مِّنْ بَيْنِهِنَّ فَقَدْ عَوَى

ترجمہ: ”تمام عقائد انسان کے اسلام کی بنیاد ہیں، اگر ان میں سے ایک عقیدہ بھی خراب ہو جائے تو انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔“

خِشْتِ اَوَّلِ چوں نہد معمار کج  
تا ثریا می رود دیوار کج

ترجمہ: ”اگر معمار پہلی اینٹ کو ٹیڑھا رکھے تو دیوار ثریا ستارے تک ٹیڑھی جاتی ہے۔“

## معرفتِ عقیدہ

عقائد کو اہمیت کے ساتھ سیکھنا ہر شخص پر لازم ہے کیونکہ عقائد؛ دین کی بنیاد ہیں۔ انہی پر اسلام کی عمارت کا دار و مدار ہے۔ اگر بنیاد موجود نہ ہو تو عمارت کا وجود ممکن نہیں۔ اسی طرح اگر عقائد موجود نہ ہوں تو اسلام کی عمارت بھی قائم نہیں رہ سکتی۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت 150ھ فرماتے ہیں:

وَإِذَا أُشْكِلَ عَلَى الْإِنْسَانِ شَيْءٌ مِنْ دَقَائِقِ عِلْمِ التَّوْحِيدِ فَإِنَّهُ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَعْتَقِدَ فِي الْحَالِ مَا هُوَ الصَّوَابُ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى إِلَى أَنْ يَجِدَ عَالِمًا فَيَسْأَلُهُ وَلَا يَسَعُهُ تَأْخِيرُ الطَّلَبِ وَلَا يُعْذَرُ بِالْوَقْفِ فِيهِ وَيُكْفَرُ إِنْ وَقَفَ فِيهِ.

(الفقہ الاکبر)

ترجمہ: انسان کو اگر علم توحید کے مسائل (جو ذات و صفات باری تعالیٰ سے متعلق ہیں) سمجھنے میں دشواری پیش آئے تو اسے چاہیے کہ فی الحال تو یہ عقیدہ رکھے کہ اس مسئلہ میں جو بات اللہ تعالیٰ کے ہاں درست ہے بس میرا بھی وہی عقیدہ ہے تا وقتیکہ اسے کوئی عالم مل جائے تو اس سے صحیح عقیدہ معلوم کر لے۔ اس کے لیے ان مسائل میں کسی قسم کی تاخیر کی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی شخص ان مسائل میں توقف اختیار کرے تو اس کا یہ عذر قابل قبول نہیں ہو گا بلکہ اس بارے میں توقف کرنے والے شخص پر فتویٰ کفر لگایا جائے گا۔

فائدہ نمبر 1:

جس علم میں عقائد سے بحث ہو اسے ”علم العقائد اور علم الکلام“ کہتے ہیں، جس علم میں اعمال اور احکام سے بحث ہو اسے ”علم الفقہ“ کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2:

علم العقائد اور علم الکلام کو ”الفقہ الاکبر“ اور علم الفقہ کو ”الفقہ الاصغر“ بھی کہتے ہیں۔

## علم الکلام

### علم الکلام کی تعریف:

1: علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:  
هُوَ الْعِلْمُ بِالْعَقَائِدِ الدِّينِيَّةِ عَنِ الْأَدِلَّةِ اليَقِينِيَّةِ.

(شرح المقاصد فی علم الکلام: ص 5)

ترجمہ: علم الکلام وہ علم ہے جس میں دلائل یقینیہ کے ذریعہ اسلامی عقائد کا علم حاصل ہوتا ہے۔

2: مشہور مؤرخ و فقیہ ابو زید عبد الرحمن بن محمد بن محمد بن خلدون المعروف ابن خلدون رحمہ اللہ ت 808ھ لکھتے ہیں:  
هُوَ عِلْمٌ يَتَضَمَّنُ الْحُجَجَ عَنِ الْعَقَائِدِ الْاِيْمَانِيَّةِ بِالْاَدِلَّةِ الْعَقْلِيَّةِ وَالرَّدَّ عَلَى الْمُبْتَدِعَةِ الْمُنْحَرَفِيْنَ فِي الْاِعْتِقَادَاتِ عَنِ مَذَاهِبِ السَّلَفِ وَاَهْلِ السُّنَّةِ.

(تاریخ ابن خلدون: ج 1 ص 458)

ترجمہ: علم الکلام وہ علم ہے جس میں عقلی دلائل کے ذریعہ ایمانی عقائد کا دفاع کیا جاتا ہے اور اہل سنت، اسلاف کے عقیدہ سے انحراف کرنے والے اہل بدعت کا دلائل سے رد کیا جاتا ہے۔

فائدہ:

عقائد دو قسم کے ہیں:

- 1: عقائد قطعیہ: جس کی بنیاد پہ ایمان اور کفر کا فیصلہ ہوتا ہے۔ انہیں ”ضروریات دین“ بھی کہتے ہیں۔
- 2: عقائد ظنیہ: جس کی بنیاد پہ اہل سنت و الجماعہ اور اہل بدعت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ انہیں ”ضروریات اہل سنت و الجماعہ“ بھی کہتے ہیں۔

پہلی تعریف فقط عقائد قطعیہ کو شامل ہے اور دوسری تعریف عقائد قطعیہ اور عقائد ظنیہ دونوں کو شامل ہے، اس لئے دوسری تعریف راجح ہے۔

### علم الکلام کا موضوع:

قاضی محمد علی تھانوی رحمہ اللہ ت 1191ھ لکھتے ہیں:  
الْمَعْلُومُ مِنْ حَيْثُ يَتَعَلَّقُ بِهِ اِنْثَابُ الْعَقَائِدِ الدِّينِيَّةِ.

(کشاف اصطلاحات الفنون: ج 1 ص 23)

ترجمہ: ایسی معلومات جن سے اسلامی عقائد کو ثابت کیا جاتا ہے۔

## علم الکلام کی غرض و غایت:

مشہور متکلم عضد الدین عبدالرحمن بن احمد الابنکی رحمہ اللہ ت 756ھ لکھتے ہیں:

هُوَ حِفْظُ قَوَاعِدِ الدِّينِ وَهِيَ عَقَائِدُهُ عَنْ أَنْ تَزَلَّزَلَهَا شُبُهَةُ الْمُبْطِلِينَ.

(کتاب المواقف: المقصد الرابع مرتبہ)

ترجمہ: عقائد کے اصولوں کو محفوظ کر کے منکرین کے شبہات کو ختم کرنا۔

## علم العقائد کو علم الکلام کہنے کی وجہ:

[1]: متقدمین متکلمین جب کسی عقیدے کو بیان فرماتے تو عنوان یوں قائم کرتے الکلام فی التوحید الکلام فی النبوة وغیرہ۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

لِأَنَّ عُنْوَانَ مَبَاجِئِهِمْ كَانَ قَوْلُهُمْ "الْكَلَامُ فِي كَذَا وَكَذَا."

(شرح العقائد النسفية: ص 33)

ترجمہ: اس لیے کہ علم الکلام کی مباحث کا عنوان متکلمین کا یہ قول ہوتا تھا الکلام فی کذا وکذا۔

[2]: متکلم علم کلام کے ذریعے عقائد کو اچھی طرح بیان کر سکتا ہے اور بوقت ضرورت فریق مخالف کو لاجواب بھی کر سکتا ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

لِأَنَّهُ يُورِثُ قُدْرَةً عَلَى الْكَلَامِ فِي تَحْقِيقِ الشَّرْعيَّاتِ وَالزَّامِ الْخُصُومِ كَالْمَنْطِقِ لِلْفَلَسَفَةِ

(شرح العقائد النسفية ص 33)

ترجمہ: اس لیے کہ علم الکلام؛ اسلامی عقائد اور مسائل کو ثابت کرنے اور مخالف کو خاموش کرانے پر کلام (گفتگو) کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے جس طرح علم منطق؛ فلسفی مسائل میں گفتگو کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

[3]: علم الکلام وہ پہلا علم ہے جس کے سیکھنے اور سکھانے کا اہم ترین ذریعہ ”کلام“ ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَا يَجِبُ مِنَ الْعُلُومِ الَّتِي إِنَّمَا تَعْلَمُ وَتُنْتَعَمُ بِالْكَلَامِ فَأُطْلَقَ عَلَيْهِ هَذَا الْإِسْمُ لِذَلِكَ  
ثُمَّ حُصِّنَ بِهِ وَلَمْ يُطْلَقْ عَلَى غَيْرِهِ تَمَيُّزًا

(شرح العقائد النسفية ص 33، 34)

ترجمہ: اس لیے کہ جو علوم؛ کلام کے ذریعے سیکھے اور سکھائے جاتے ہیں علم الکلام ان میں سب سے پہلا علم ہے۔ اسی لیے اس علم پر ”علم الکلام“ کا لفظ بولا گیا۔ پھر ”علم الکلام“ کو اسی علم (عقائد) کے ساتھ خاص کر دیا گیا اور دوسرے علوم پر ”علم الکلام“ کا استعمال چھوڑ دیا گیا تاکہ اس علم اور دیگر علوم میں امتیاز باقی رہے۔

[4]: علم الکلام میں فریقین کا گفتگو، کلام اور بحث و مباحثہ کرنا ایک لازمی امر ہے جبکہ دیگر علوم میں بحث مباحثہ ضروری نہیں۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

لِأَنَّهُ إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ بِالْمُبَاحَثَةِ وَإِدَارَةِ الْكَلَامِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَغَيْرِهِ فَذَّ يَتَحَقَّقُ بِمُطَالَعَةِ الْكُتُبِ وَالتَّأَمُّلِ.

(شرح العقائد النسفية ص 34)

ترجمہ: اس لئے کہ علم کلام، فریقین کے درمیان بحث مباحثہ اور گفتگو کے تبادلہ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جبکہ دیگر علوم کتب کا مطالعہ اور غور و فکر کرنے سے بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔

[5]: علوم میں سے علم الکلام کے دلائل اتنے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں گویا کہ کلام، علم الکلام ہی ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

لِأَنَّهُ لِقُوَّةِ آدِلَّتِهِ صَارَ كَأَنَّهُ هُوَ الْكَلَامُ دُونَ مَا عَدَاهُ مِنَ الْعُلُومِ كَمَا يُقَالُ لِلْأَقْوَى مِنَ الْكَلَامِيِّينَ "هَذَا هُوَ الْكَلَامُ".

(شرح العقائد النسفية ص 34)

ترجمہ: اس لیے کہ علم الکلام کے دلائل اتنے مضبوط اور قوی ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ایسے ہو گیا جیسے کلام تو صرف علم الکلام ہی ہے جس طرح دو بندوں کے کلام میں مضبوط کلام کے بارے میں کہا جاتا ہے: کلام تو ہے ہی یہی۔

علم الکلام کی اہمیت:

اپنے ایمان اور عقائد کی اصلاح فرض عین جبکہ ایمان و عقائد کی تفصیلات معلوم کرنا فرض کفایہ ہے۔ اور جس علم کے ذریعہ یہ چیزیں معلوم ہوتی ہیں وہ علم ”علم الکلام“ ہے گویا کہ علم الکلام میں مہارت حاصل کرنا اسے سیکھنا اور سکھانا فرض کفایہ ہے۔

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد المعروف غزالی رحمہ اللہ ت 505ھ لکھتے ہیں:

الْإِسْتِعَالَ بِهَذَا الْعِلْمِ مِنْ فُرُوضِ الْكِفَايَاتِ .... فَإِنْ قُلْتِ: فَلِمَ صَارَ مِنْ فُرُوضِ الْكِفَايَاتِ وَقَدْ ذُكِرَتْ أَنْ أَكْثَرَ الْفَرْقِ يَضُرُّهُمْ ذَلِكَ وَلَا يَنْفَعُهُمْ؟ فَأَعْلَمُ! أَنَّهُ قَدْ سَبَقَ أَنْ إِزَالَتِ الشُّكُوكَ فِي أَصُولِ الْعَقَائِدِ وَاجِبَةً، وَاعْتَوَارَ الشَّكَّ غَيْرُ مُسْتَحِيلٍ وَإِنْ كَانَ لَا يَقَعُ إِلَّا فِي الْأَقْلِّ، ثُمَّ الدَّعْوَةُ إِلَى الْحَقِّ بِالْبُرْهَانِ مُهِمَّةٌ فِي الدِّينِ، ثُمَّ لَا يَبْعُدُ أَنْ يَتَوَرَّعَ مُبْتَدِعٌ وَيَتَّصِدَى لِإِغْوَاءِ أَهْلِ الْحَقِّ بِإِفَاضَةِ الشُّبُهَةِ فِيهِمْ، فَلَا بُدَّ مِمَّنْ يُقَاوِمُ شُبُهَتَهُ بِالْكَشْفِ وَيُعَارِضُ إِغْوَاءَهُ بِالْتَفْهِيمِ، وَلَا يُمْكِنُ ذَلِكَ إِلَّا بِهَذَا الْعِلْمِ وَلَا تَنْفَكُ الْبِلَادُ عَنْ أَمْثَالِ بِيْهِ الْوَقَائِعِ، فَوَجِبَ أَنْ يَكُونَ فِي كُلِّ قَطْرٍ مِنَ الْأَقْطَارِ وَصْفَعٌ مِنَ الْأَصْقَاعِ قَائِمٌ بِالْحَقِّ مُسْتَعْلٍ بِهَذَا الْعِلْمِ يُقَاوِمُ دُعَاةَ الْمُبْتَدِعَةِ وَيَسْتَمِيلُ الْمَائِلِينَ عَنِ الْحَقِّ وَيُصَفِّي قُلُوبَ أَهْلِ السُّنَّةِ عَنِ عَوَارِضِ الشُّبُهَةِ.

(الاقتصاد في الاعتقاد: ص 4 التمهيد الثالث)

ترجمہ: علم الکلام کا سیکھنا، سکھانا فرض کفایہ ہے۔ سوال: علم کلام کا سیکھنا کیوں فرض کفایہ ہے حالانکہ اکثر فرقوں کو اس سے فائدہ کے بجائے نقصان پہنچتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عقائد میں شکوک و شبہات کا ازالہ کرنا ضروری ہے اور کچھ نہ کچھ شک و شبہ

پیش آنا ممکن نہیں اگرچہ یہ شکوک و شبہات بہت کم ہی پیش آتے ہیں۔ اسی طرح دلائل کے ساتھ صحیح عقائد کی طرف دعوت دینا بھی ایک اہم دینی ذمہ داری ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی جگہ کوئی بدعتی اہل حق کے دلوں میں شبہات ڈالنے اور انہیں گمراہ کرنے کی نیت سے سرگرم ہو، لہذا ایسے افراد کی موجودگی ضروری ہے جو اہل بدعت کے شبہات کا دلائل سے جواب دیں اور دلائل کے ساتھ اس کی گمراہی لوگوں کے سامنے واضح کریں اور یہ کام علم کلام کے بغیر ممکن نہیں۔ اکثر شہروں میں اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں (کہ گمراہ لوگ شکوک و شبہات کی وجہ سے عوام کو اہل حق سے دور اور بدظن کرتے ہیں)، لہذا ہر شہر، ہر جگہ ایسے افراد کی موجودگی ضروری ہے، جو خود حق پر قائم رہ کر علم کلام کو سیکھیں اور حق سے اعراض کرنے والے، اہل بدعت کا مقابلہ کر کے انہیں حق کی طرف توجہ دلائیں اور عوام اہل السنۃ کے دلوں کو شبہات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔

**علم الکلام کی فضیلت:**

عبادات کی قبولیت عقائد کی درست ہونے پر موقوف ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ 792ھ فرماتے ہیں:

وَبِالْجُمْلَةِ هُوَ أَشْرَفُ الْعُلُومِ لِكَوْنِهِ أَسَاسَ الْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ وَرَبِيسَ الْعُلُومِ الدِّينِيَّةِ وَكَوْنِ مَعْلُومَاتِهِ الْعَقَائِدَ الْإِسْلَامِيَّةَ وَغَايَتِهِ الْفُوزَ بِالسَّعَادَاتِ الدِّينِيَّةِ وَالْدُّنْيَوِيَّةِ وَبَرَابِنِهِ الْحُجَجَ الْقَطْعِيَّةَ الْمُؤَيَّدَ أَكْثَرُهَا بِالْأَدِلَّةِ السَّمْعِيَّةِ.

(شرح العقائد النسفية: ص 10)

ترجمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ علم الکلام تمام علوم سے زیادہ عظمت والا ہے کیونکہ

- 1: علم الکلام تمام احکام شرعیہ (مسائل فقہیہ) کی بنیاد ہے
- 2: علم الکلام؛ علوم دینیہ (تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور تصوف وغیرہ) کا سردار ہے۔
- 3: علم الکلام میں اسلامی عقائد کو بیان کیا جاتا ہے۔
- 4: علم الکلام کا مقصود؛ دینی اور دنیوی سعادات کا پانا ہے۔
- 5: علم الکلام کے براہین؛ ایسے قطعی دلائل ہیں جن میں سے اکثر کی تائید دلائل نقلی سے ہوتی ہے۔

**سوال:**

اگر علم الکلام اتنی فضیلت والا ہے تو اسلاف اس کو حاصل کرنے سے منع کیوں کرتے ہیں؟ اور علم الکلام حاصل کرنے

والے پہ تنقید کیوں کرتے ہیں؟

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب القاضی (ت 182ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ تَكَلَّمَ نَزَّادِقًا.

(النبراس شرح شرح العقائد للعلامة عبدالعزيز فرہاروی: ص 23)

ترجمہ: علم الکلام میں مشغول رہنے والا زندقہ ہے۔

جواب:

اسلاف سے جو ایسی باتیں منقول ہیں وہ ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ مخصوص افراد کے بارے میں ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

وَمَا نُفِلَ عَنِ السَّلَفِ مِنَ الطَّعْنِ فِيهِ وَ الْمَنْعِ عَنْهُ فَإِنَّمَا هُوَ لِلْمُنْتَعَصِبِ فِي الدِّينِ وَالْقَاصِرِ  
عَنْ تَحْصِيلِ الْيَقِينِ وَالْقَاصِدِ إِلَى إِفْسَادِ عَقَائِدِ الْمُسْلِمِينَ وَالْحَائِضِ فِيمَا لَا يَفْتَقِرُ إِلَيْهِ مِنْ عَوَامِضِ  
الْمُتَفَلْسِفِينَ وَالْأَفْكَافِ يُتَّصَرُّ الْمَنْعُ عَمَّا هُوَ أَصْلُ الْوَاجِبَاتِ وَأَسَاسُ الْمَشْرُوعَاتِ.

(شرح العقائد النسفية: ص 10)

ترجمہ: علم الکلام کے بارے میں اسلاف سے طعن اور روکنا جو منقول ہے وہ اس شخص کے بارے میں ہے جو

1: دین میں متعصب اور ضدی ہو۔

2: یقین حاصل کرنے سے قاصر ہو۔

3: مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

4: فلاسفہ کی ان باریکیوں میں مصروف ہونے والا ہو جن کی ضرورت نہیں ہے

ورنہ اسلاف ایسے علم کے حصول سے کیسے منع کر سکتے ہیں جو تمام واجبات کی اصل اور تمام احکام شرعیہ کی بنیاد ہے۔

فائدہ:

یہ بالکل ایسے ہے جس طرح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے حماد کو مناظرہ کرنے سے منع کیا تھا اور خود مناظرے

بھی کئے۔

امام ابوالموید موفیق بن احمد الخوارزمی المکی الحنفی (ت 568ھ) نقل کرتے ہیں:

وَقَالَ حَمَادُ بْنُ أَبِي حَنِيفَةَ : دَخَلَ عَلَيَّ أَبِي رَحِمَهُ اللَّهُ يَوْمًا وَعِنْدِي جَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِ  
الْكَلَامِ، وَنَحْنُ نَتَنَاظَرُ فِي بَابٍ، قَدْ عَلَتْ أَصْوَاتُنَا، فَلَمَّا سَمِعْتُ حِسَّهُ فِي الدَّارِ خَرَجْتُ إِلَيْهِ

فَقَالَ لِي: يَا حَمَادُ! مَنْ عِنْدَكَ؟

قُلْتُ: فُلَانٌ وَفُلَانٌ وَفُلَانٌ، سَمَّيْتُ مَنْ كَانَ عِنْدِي،

قَالَ: وَفِيمَ أَنْتُمْ؟

قُلْتُ: فِي بَابِ كَذَا وَكَذَا،

فَقَالَ لِي: يَا حَمَادُ! دَعِ الْكَلَامَ،

قَالَ: وَلَمْ أَعْهَدْ أَبِي صَاحِبَ تَخْلِيطٍ وَلَا مَمَّنْ يَأْمُرُ بِالشَّيْءِ ثُمَّ يَنْهَى عَنْهُ،

فَقُلْنَا لَهُ: يَا أَبَتِ! أَلَسْتَ كُنْتَ تَأْمُرُنِي بِهِ؟

قَالَ: بَلَى يَا بُنَيَّ! وَأَنَا الْيَوْمَ أَنهَاكَ عَنْهُ،

قُلْتُ: وَلَمْ ذَاكَ؟

فَقَالَ: يَا بُنَيَّ إِنَّ هُوَ لَا يَمْخُتَلِفِينَ فِي أَبْوَابِ مِنَ الْكَلَامِ مِمَّنْ تَرَى كَانُوا عَلَى قَوْلٍ وَاحِدٍ

وَدِينٍ وَاحِدٍ حَتَّى نَزَعَ الشَّيْطَانُ بَيْنَهُمْ فَأَلْفَى بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْإِخْتِلَافَ فَتَبَايَنُوا.

(مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ واکرم: ج 1 ص 207، 208)

ترجمہ: امام حماد بن ابی حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میرے والد صاحب تشریف لائے، اس وقت میرے پاس متکلمین کی ایک جماعت بیٹھی تھی اور ہم ایک مسئلہ میں مناظرہ کر رہے تھے، ہماری آواز بلند ہوئی۔ جب میں نے اپنے والد صاحب کی آہٹ کو سنا تو میں باہر نکلا۔ والد صاحب نے مجھے فرمایا:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: آپ کے پاس کون بیٹھا ہے؟

امام حماد رحمہ اللہ: فلاں فلاں علماء۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: تم لوگ کس چیز کے متعلق گفتگو کر رہے تھے؟

امام حماد رحمہ اللہ: فلاں موضوع کے متعلق

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: بیٹا حماد! مناظرے چھوڑ دو۔

امام حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب بات کو خلط ملط نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ایسا کرتے کہ ایک دن کسی

کام کا حکم دیں اور دوسرے دن اسی سے منع کر دیں۔ چنانچہ میں نے عرض کیا:

امام حماد رحمہ اللہ: اباجان! آپ نے خود مجھے علم الکلام حاصل کرنے کا حکم دیا تھا، اب منع کیوں فرما رہے ہیں؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: بالکل حکم دیا تھا مگر آج روک رہا ہوں۔

امام حماد رحمہ اللہ: اباجان! روکنے کی وجہ کیا ہے؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: بیٹا! آج جو عقائد کے بارے میں تمہیں اختلاف نظر آ رہا ہے ایک وقت تھا جب لوگ ایک ہی عقیدہ

پر تھے، شیطان نے ان کو آپس میں لڑایا اور عقائد کے معاملہ انہیں مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا۔

## ائمہ علم الکلام

مشہور ائمہ علم الکلام تین ہیں:

(1): امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ 150ھ

### نام و نسب

ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن نعمان بن المرزبان۔

### ولادت

سن 80 ہجری میں شہر کوفہ میں پیدا ہوئے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ؛ اول مدون فقہ اسلامی

علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی (ت 911ھ) لکھتے ہیں:

مِنْ مَنَاقِبِ أَبِي حَنِيفَةَ الَّتِي انْفَرَدَ بِهَا أَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَ الشَّرِيعَةِ وَرَتَّبَهُ أَبُوَابًا ثُمَّ تَابَعَهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ فِي تَرْتِيبِ الْمُوطَا وَلَمْ يَسْبِقْ أَبَا حَنِيفَةَ أَحَدًا.

تبيين الصغيفه للسيوطي: ص 138

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے خصوصی مناقب میں سے ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے آپ نے علم شریعت کی تدوین کی ہے اور ابواب میں اسے مرتب فرمایا ہے، پھر امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے موطا میں آپ کی پیروی کی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ؛ اول متکلم

امام استاذ ابو منصور عبدالقادر بن طاہر التیمی البغدادی (ت 429ھ) لکھتے ہیں:

وَأَوَّلُ مُتَكَلِّمِيهِمْ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَأَرْبَابِ الْمَذَاهِبِ أَبُو حَنِيفَةَ. (کتاب اصول الدین: ص 308)

ترجمہ: فقہاء اور ارباب مذاہب میں سب سے پہلے متکلم امام ابو حنیفہ ہیں۔

الفقہ الاکبر؛ علم الکلام میں اول تصنیف

ابو محمد عبدالقادر بن محمد ادریس بن محمد محمود العمری الحنفی السلہتی (بنگالی) لکھتے ہیں:

فَلَمَّا كَانَ عِلْمُ التَّوْحِيدِ أَصْلَ أُصُولِ الدِّينِ وَالْكِتَابُ الْجَلِيلُ الَّذِي صَنَّفَهُ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَسَمَّاهُ بِ"الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ" أَوَّلَ تَصْنِيفٍ وَأَشْمَلَ لِمَسَائِلِ التَّوْحِيدِ وَالْيَقِينِ.

الدر الازهر في شرح الفقه الاكبر: ص 2

ترجمہ: چونکہ علم توحید [دین کے اصولوں میں سے بنیادی اصول ہے اور وہ کتاب جسے امام اعظم رحمہ اللہ نے تصنیف فرمایا اور اس کا نام ”الفقہ الاکبر“ رکھا عقائد کے باب میں پہلی تصنیف اور توحید اور یقین کے مسائل میں جامع کتاب ہے۔

### وفات

آپ کی وفات سن 150 ہجری میں بغداد میں ہوئی اور بغداد کے مقبرہ ”خیزران“ میں مدفون ہوئے۔

## تالیفات و تصنیفات

- 1: کتاب الآثار بروایت امام زفر بن ہذیل
- 2: کتاب الآثار بروایت امام ابی یوسف القاضی
- 3: کتاب الآثار بروایت امام محمد بن الحسن الشیبانی
- 4: کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیاد اللؤلؤی
- 5: الفقه الاکبر بروایت امام حماد بن ابی حنیفہ
- 6: الفقه الاکبر (المعروف الفقه الاوسط) بروایت امام ابی مطیع البلیخی
- 7: الرسالة الی عثمان البتّی
- 8: کتاب العالم والمتعلم
- 9: کتاب المجرذ فی الفقه
- 10: کتاب الرهن
- 11: کتاب الفرائض
- 12: کتاب الشروط
- 13: کتاب الصلوة
- 14: المقصود فی التصریف
- 15: کتاب اختلاف الصحابة رضی اللہ عنہم
- 16: کتاب السیر
- 17: کتاب الرد علی القدریة
- 18: کتاب الوصیة

## (2): امام ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعری الشافعی رحمہ اللہ 324ھ

آپ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے، قبیلہ اشعری طرف نسبت کی وجہ سے ان کو اشعری کہتے ہیں، 260 ہجری میں ”بصرہ“ میں پیدا ہوئے، بچپن میں والد کا انتقال ہو گیا، بعد میں ان کی والدہ کا نکاح مشہور معتزلی ”محمد بن عبد الوہاب بن سلام المعروف ابو علی جبائی“ (ت 303ھ) سے ہو گیا۔ آپ نے ”فن مناظرہ اور علم الکلام“ ابو علی جبائی کی تربیت میں رہ کر حاصل کیا لیکن نہایت سلیم الطبع اور سلیم الفطرت ہونے کی وجہ سے معتزلہ کی رکیک اور بعید از عقل تاویلات کی وجہ سے مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کو قبول کیا اور تاحیات عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کے اثبات اور معتزلہ کی تردید میں دلائل دیتے رہے حتیٰ کہ معتزلہ کے نظریہ ”اصح للعباد اللہ پاک پر واجب ہے“ پر ابو علی جبائی معتزلی سے مناظرہ کیا اور اسے شکست بھی دی۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ 792ھ فرماتے ہیں:

قَالَ الشَّيْخُ أَبُو الْحَسَنِ الْأَشْعَرِيُّ لِأُسْتَاذِهِ أَبِي عَلِيٍّ نَ الْجَبَائِيَّ

مَا تَقُولُ فِي ثَلَاثَةِ إِخْوَةٍ مَاتَ أَحَدُهُمْ مُطِيعًا ، وَالْأُخْرَى عَاصِيًا ، وَالثَّالِثُ صَغِيرًا؟  
 فَقَالَ: إِنَّ الْأَوَّلَ يُنَابُ فِي الْجَنَّةِ وَالثَّانِي يُعَاقَبُ بِالنَّارِ وَالثَّلَاثُ لَا يُنَابُ وَلَا يُعَاقَبُ.  
 فَقَالَ الْأَشْعَرِيُّ: فَإِنْ قَالَ الثَّلَاثُ: يَا رَبِّ! لَمْ أَمْتِنِّي صَغِيرًا وَمَا أَبْقَيْتَنِي إِلَى أَنْ أَكْبُرَ فَأُوْمِنَ  
 بِكَ وَأَطِيعَكَ فَأَدْخُلَ الْجَنَّةَ، فَمَاذَا يَقُولُ الرَّبُّ؟  
 فَقَالَ: يَقُولُ الرَّبُّ: إِنِّي كُنْتُ أَعْلَمُ مِنْكَ أَنَّكَ لَوْ كَبُرْتَ لَعَصَيْتَ فَدَخَلْتَ النَّارَ فَكَانَ الْأَصْلَحُ  
 لَكَ أَنْ تَمُوتَ صَغِيرًا.  
 فَقَالَ الْأَشْعَرِيُّ: فَإِنْ قَالَ الثَّانِي: يَا رَبِّ لِمَ لَمْ تُمْتِنِّي صَغِيرًا لِلَّيْلَا أَعْصَى لَكَ فَلَا أَدْخُلُ  
 النَّارَ فَمَاذَا يَقُولُ الرَّبُّ؟  
 فَبُهِتَ الْجَبَائِيُّ وَتَرَكَ مَذْهَبَهُ وَاشْتَغَلَ هُوَ وَمَنْ تَبِعَهُ بِإِبْطَالِ رَأْيِ الْمُعْتَزِلَةِ وَاثْبَاتِ مَا وَرَدَ  
 بِهِ السُّنَّةُ وَمَضَى عَلَيْهِ الْجَمَاعَةُ فَسَمُّوا أَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةَ.

(شرح العقائد النسفية ص 36 تا 38)

ترجمہ: امام ابو الحسن اشعری نے اپنے استاد ابو علی جبائی سے پوچھا:

اشعری: ان تین بھائیوں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جن میں سے ایک فرمانبردار، دوسرا نافرمان اور تیسرا بچپن کی  
 حالت میں فوت ہو گیا۔

جبائی: پہلے (فرمانبردار) کو جنت میں ثواب دیا جائے گا، دوسرے (نافرمان) کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا اور تیسرے  
 (بچپن میں فوت ہونے والے) کو نہ ثواب دیا جائے گا نہ عذاب۔

اشعری: اگر تیسرا بھائی یہ کہے کہ اے میرے رب! آپ نے مجھے بچپن میں وفات کیوں دی؟ مجھے بڑی عمر تک باقی کیوں  
 نہیں رکھا؟ میں بڑا ہوتا، ایمان لے آتا، آپ کی اطاعت کرتا اور جنت میں داخل ہو جاتا تو اللہ کیا جواب دیں گے؟

جبائی: اللہ فرمائیں گے کہ مجھے معلوم تھا کہ اگر تو بڑا ہوتا تو نافرمانی کرتا اور جہنم میں چلا جاتا۔ تیرے لئے یہی بہتر تھا کہ  
 تو بچپن میں فوت ہو جائے۔

اشعری: اگر ان میں سے دوسرا یہ کہے کہ اے میرے رب! آپ نے مجھے بچپن میں موت کیوں نہیں دی تاکہ میں آپ  
 کی نافرمانی نہ کرتا اور جہنم میں نہ جاتا۔ تو اللہ اس کا کیا جواب دیں گے؟

اس پر ابو علی جبائی لاجواب ہو گیا۔ جس پر امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ نے معتزلہ کا مذہب چھوڑا۔ آپ اور آپ کے  
 ماننے والے حضرات معتزلہ کے عقائد کی تردید میں مصروف ہو گئے اور جو کتاب و سنت سے عقائد ثابت ہیں اور جن پر صحابہ کرام  
 رضی اللہ عنہم اجماع کا نظریہ تھا انہیں ثابت کرنے میں مشغول ہو گئے اور ان کا نام ”اہل السنۃ والجماعۃ“ رکھا گیا۔

امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ فروع میں امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ ت 204ھ کے مقلد تھے۔ تین سو (300)  
 کے قریب کتب تصنیف فرمائیں جیسا کہ امام خیر الدین بن محمود بن محمد الزرکلی ت 1396ھ نے ذکر کیا ہے۔

(الاعلام ج 5 ص 69)

چند مشہور کتب یہ ہیں:

الفصول، الموجز، کتاب فی خلق الاعمال، کتاب فی الاستطاعة، کتاب کبیر فی الصفات، کتاب فی جواز رؤیة اللہ بالأبصار، کتاب فی الرد علی المجبّمة، مقالات الاسلامیین و اختلاف المصلّین، کتاب فی الرویة، مختصر مدخل الی الشرح والتفصیل.

آپ رحمہ اللہ نے سن 324 ہجری میں انتقال فرمایا۔

(3): امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی الحنفی رحمہ اللہ ت 333ھ:

آپ رحمہ اللہ ماوراء النہر سمرقند کے ایک گاؤں ”ماترید“ میں پیدا ہوئے۔ اس گاؤں کی طرف نسبت کی وجہ سے آپ کو ”ماتریدی“ کہتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ نے معتزلہ کے رد اور اہل السنۃ والجماعۃ کے افکار کی تائید میں راہِ اعتدال اختیار فرمائی۔ فروع میں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت 150ھ کے مقلد تھے۔ آپ نے متعدد کتب تصنیف فرمائیں۔

چند مشہور کتب یہ ہیں:

تاویلات اہل السنۃ والجماعۃ، کتاب التوحید، کتاب ردّ اوائل الادلّۃ للکعبی، کتاب بیان وھم المعتزلۃ، کتاب المقالات، کتاب ردّ و عید الفساق للکعبی، کتاب ردّ تہذیب الجدل، کتاب ردّ الاصول الخمسہ للباہلی، کتاب ردّ الإمامۃ لبعض الروافض، کتاب الردّ علی اصول القرامطۃ، کتاب الجدل۔

آپ محدث زمانہ امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ ت 321ھ کے ہم عصر تھے۔ 333 ہجری میں وفات پائی۔

فائدہ نمبر 1:

اس امت میں بہت سے متکلمین گزرے ہیں جنہوں نے علم الکلام میں تصانیف لکھیں اور اہل السنۃ والجماعۃ کے اعتقادات کی توضیح فرمائی جیسے

امام ابو بکر محمد بن طیب الباقلائی المالکی (ت 403ھ)،

امام ابو زید عبید اللہ بن عمر بن عیسیٰ الدبوسی الحنفی (ت 432ھ)،

امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک بن ابی محمد عبد اللہ الجوی بنی النیشاپوری الشافعی (ت 478ھ)،

امام ابو حامد محمد بن محمد بن احمد الغزالی الشافعی (ت 505ھ)،

امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد بن احمد النسفی الحنفی (ت 537ھ)،

امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی الشافعی (ت 604ھ)،

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی الحنفی (ت 792ھ)،

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی الحنفی (ت 1176ھ) رحمہم اللہ وغیرہ

لیکن ہم نے یہاں تین ائمہ علم الکلام امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (ت 150ھ)، امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری الشافعی (ت 324ھ) اور امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی الخنفی (ت 333ھ) رحمہم اللہ کا ذکر اس لیے کیا کیونکہ یہ تینوں حضرات علم الکلام کی بنیاد ہیں۔

بالکل اسی طرح جیسے اس امت میں مجتہدین کئی گزرے ہیں جیسے

امام عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ الانصاری (ت 83ھ)،

امام سعید بن المسیب (ت 94ھ)،

امام لیث بن سعد بن عبدالرحمن (ت 94ھ)،

امام ابراہیم بن یزید النخعی الکوفی (ت 96ھ)،

امام عامر بن شراحیل شعبی الکوفی (ت 104ھ)،

امام قاسم بن محمد بن ابی بکر المدنی (ت 108ھ)،

امام سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ (ت 161ھ) وغیرہ

لیکن ان میں سے صرف چار ائمہ؛ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی (ت 150ھ)، امام مالک بن انس المدنی (ت 179ھ)، امام محمد بن ادریس الشافعی (ت 204ھ) اور امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل البغدادی (ت 241ھ) رحمہم اللہ کا تذکرہ اہمیت کے ساتھ اس لیے کیا جاتا ہے کہ یہی چار مجتہدین امت میں فقہی مذاہب کی ترویج اور تقلید کی بنیاد ہیں۔

### فائدہ نمبر 2:

عقائد میں ائمہ اربعہ اور اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اتفاق ہے کیونکہ عقائد کا جو اختلاف ہوتا ہے یا یہ اسلام سے نکالتا ہے یا سنت سے نکالتا ہے یعنی آدمی کافر فی العقیدہ ہوتا ہے یا مبتدع فی العقیدہ ہوتا ہے اور اور یہاں اختلاف کے باوجود ہم کسی کو کافر اور مبتدع نہیں کہتے کیونکہ جو اسلام سے کفر یا سنت سے بدعت کی طرف اختلاف لے جائے وہ اختلاف حقیقی ہوتا ہے اور یہاں اختلاف حقیقی نہیں ہے بلکہ نزاع لفظی ہے تو نزاع لفظی کا حکم اور ہوتا ہے اور نزاع حقیقی کا حکم اور ہوتا ہے۔

### فائدہ نمبر 3:

#### نزاع حقیقی

نزاع حقیقی میں حقائق و نظریات کا اختلاف ہوتا ہے جیسے اہل حق کا عقیدہ ہے کہ ثواب و عذاب قبر برحق ہے اس کے مقابلہ میں یہ عقیدہ رکھنا کہ قبر میں ثواب و عذاب نہیں ہوتا یہ ”نزاع حقیقی“ کہلاتا ہے۔

#### نزاع لفظی:

نزاع لفظی میں نظریہ میں اتفاق اور تعبیرات کا اختلاف ہوتا ہے۔ جیسے اہل السنۃ والجماعۃ متکلمین اور صوفیاء کا موقف یہ ہے کہ دنیا میں احوال راحت و تکلیف اصلاً اور اصلاً جسم پر آتے ہیں اور تبعاً اور ضمناً روح پر آتے ہیں۔ اور موت کے بعد احوال

(ثواب و عذاب) أصالةً اور أصلاً روح پر آتے ہیں اور تبعاً اور ضمناً جسم پر آتے ہیں لیکن متکلمین اہل السنۃ والجماعۃ روح کو ”روح“ جبکہ صوفیاء اہل السنۃ والجماعۃ روح کو ”جسدِ مثالی“ کا نام دیتے ہیں کیونکہ روح متشکل بجسد العنصری ہو جاتی ہے۔ اور اس بناء پر وہ یہ تعبیر اختیار کرتے ہیں کہ ثواب و عذاب جسمِ مثالی کو دیا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ؛ خاتم الحدیثین علامہ نور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”جمہور اہل شرع جس کو روح کہتے وہ صوفیہ کے نزدیک بدنِ مثالی سے موسوم ہے جو بدنِ مادی میں حلول کرتا ہے“

(تفسیر عثمانی سورۃ بنی اسرائیل آیت 85)

### شبه:

آپ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں یا ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی رحمہما اللہ کے؟ اگر آپ امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں تو پھر خود کو اشعری اور ماتریدی کیوں کہتے ہیں؟

### جواب:

ہم اصول و فروع میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی کے مقلد ہیں۔ لیکن وہاں اصول کا معنی عقائد نہیں ہے بلکہ اصول سے مراد وہ قوانین ہیں جن سے فروع کا استنباط ہوتا ہے اور فروع سے مراد مسائل ہیں۔

باقی امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی کی طرف نسبت؛ تقلید کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ان کے دور میں فرقہ معزلہ وغیرہ نے عقائد کی ایسی تشریحات کی تھیں جو اہل السنۃ والجماعۃ کے اعتقادات کے خلاف تھیں تو ان دو حضرات نے معزلہ وغیرہ کا رد کر کے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی صحیح ترجمانی کی۔ اس لیے ہم ان کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اشعری اور ماتریدی نسبت معزلہ کے مقابلہ میں ہے نہ کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقابلہ میں جیسا کہ ”دیوبندی“ نسبت تقلید کی وجہ سے نہیں بلکہ احناف کی صحیح ترجمانی کی وجہ سے ہے۔

### فائدہ:

لفظ ”اصول“ کئی معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے:

1: کبھی لفظ اصول؛ ان قواعد و کلیات کے لئے استعمال ہوتا ہے جن سے فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ اور مستنبط شدہ فقہی مسائل کو فروع کہتے ہیں۔

2: کبھی لفظ اصول؛ عقائد کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں فروع آتا ہے تو اس سے مراد اعمال ہوتے ہیں۔

3: کبھی لفظ اصول؛ مطلقاً قواعد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد اس فن کے وہ قوانین و کلیات ہوتے ہیں جن پر اس فن کی بنیاد ہوتی ہے۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

## فرقہ معتزلہ کی ابتداء:

امام حسن بصری رحمہ اللہ (ت 110ھ) کی درس گاہ کے ایک شاگرد ”ابوحذیفہ واصل بن عطاء غزال“ (ت 131ھ) نے جب یہ موقف اختیار کیا کہ مرتکب کبیرہ (کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا) ایمان سے نکل جاتا ہے، مگر کفر میں داخل نہیں ہوتا، تو امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ”قَدْ اَعْتَزَلَ عَنَّا“ (یہ شخص ہم سے جدا ہو گیا) اس وجہ سے ان کا نام معتزلہ رکھا گیا اور یہ خود کو ”اصحاب العدل والتوحید“ کہتے تھے۔

امام سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی (ت 792ھ) لکھتے ہیں:

لَاِنَّ رَبَّيْسَهُمْ وَاَصِلَ بِنَ عَطَاءِ اَعْتَزَلَ عَنْ مَجْلِسِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ رَجِمَهُ اللهُ وَيُقَرَّرُ اَنَّ مَنْ ارْتَكَبَ الْكَبِيْرَةَ لَيْسَ بِمُؤْمِنٍ وَلَا كَافِرٍ وَيُثْبِتُ الْمَنْزِلَةَ بَيْنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ فَقَالَ الْحَسَنُ: قَدْ اَعْتَزَلَ عَنَّا. فَسُمُّوا الْمُعْتَزِلَةَ وَهُمْ سَمُّوا اَنْفُسَهُمْ "اَصْحَابَ الْعَدْلِ وَالتَّوْحِيْدِ."

(شرح العقائد النسفية: ص 10)

ترجمہ: فرقہ معتزلہ کا بانی واصل بن عطاء؛ امام حسن بصری رحمہ اللہ کی مجلس سے یہ نظریہ اختیار کرتے ہوئے الگ ہوا کہ جس بندے نے گناہ کبیرہ کیا وہ نہ مسلمان ہے اور نہ کافر۔ واصل بن عطاء ایمان اور کفر کے درمیان تیسرے درجے کو ثابت کر رہا تھا تو امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ شخص ہم سے جدا ہو گیا ہے۔ اس لئے ان کا نام ”معتزلہ“ رکھا گیا اور خود انہوں نے اپنا نام ”اصحاب العدل والتوحید“ رکھا۔

## عقائد کی اقسام

جو عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کی کتب میں مذکور ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں۔

1: عقائد قطعیه

2: عقائد ظنیہ

### عقائد قطعیه:

وہ عقائد جن کی بنیاد پر ایمان اور کفر کا فیصلہ ہو، جنہیں ماننے والے مومن اور نہ ماننے والے کافر ہوں۔ انہیں ”ضروریات دین“ بھی کہتے ہیں۔

### عقائد ظنیہ:

وہ عقائد جن کی بنیاد پر اہل السنۃ والجماعۃ اور اہل بدعت کا فیصلہ ہو، جنہیں ماننے والے اہل السنۃ والجماعۃ اور نہ ماننے والے اہل بدعت ہوں۔ انہیں ”ضروریات اہل السنۃ والجماعۃ“ بھی کہتے ہیں۔

### فائدہ:

عقائد قطعیه کے ثبوت کے لئے دلیل قطعیه ضروری ہے جبکہ عقائد ظنیہ کے ثبوت کے لئے دلیل ظنی بھی کافی ہے۔

### دلیل قطعیه:

اس دلیل کو کہتے ہیں جس کا ثبوت بھی قطعیه ہو اور اس کا معنی و مفہوم بھی قطعیه اور یقینی ہو۔

ان کی تین قسمیں ہیں:

(1): قرآن کریم کی غیر مؤول آیات

(2): احادیث متواترہ

(3): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قولی اجماع

[1]: قرآن کریم

شیخ احمد المعروف ملا جیون رحمہ اللہ 1130ھ فرماتے ہیں:

الْفُرْآنُ الْمُنَزَّلُ عَلَى الرَّسُولِ عَلَيْهِ السَّلَامِ الْمَكْتُوبُ فِي الْمَصَاحِفِ الْمَنْقُولُ عَنْهُ نَقْلًا  
مُتَوَاتِرًا بِلا شُبْهَةٍ.

(نور الانوار: ص 10، 9)

ترجمہ: قرآن (خدا تعالیٰ کا وہ پاک کلام ہے) جو رسول علیہ السلام پر نازل ہوا، مصاحف میں لکھا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل متواتر سے منقول ہوا۔

مثال:

{قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (۱) اللَّهُ الصَّمَدُ (۲) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (۳)}

(سورة الاخلاص)

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس نے کسی کو جنم نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ قرآن مجید چونکہ تواتر سے ثابت ہے اس لیے یہ آیت قطعی الثبوت ہے۔ نیز اس آیت میں ”أَحَدٌ“ کی مراد بھی بالکل واضح ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور وہ کسی کا باپ بیٹا ہونے سے بالکل پاک ذات ہے۔  
فائدہ: عقائد قطعہ کے اثبات کے لیے قرآن مجید کی وہ آیت دلیل قطعی کہلائے گی جس کی دلالت بھی اپنے معنی پر قطعی ہو۔

[2]: حدیث متواتر

امام ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص (ت 370ھ) لکھتے ہیں:

الْمُتَوَاتِرُ مَا تَنَقَّلَهُ جَمَاعَةٌ لِكَثْرَةِ عَدَدِهَا لَا يَجُوزُ عَلَيْهِمْ فِي مِثْلِ صِفَتِهِمُ الْإِتِّفَاقُ وَالتَّوَاتُؤُ فِي مَجْرَى الْعَادَةِ عَلَى اخْتِرَاعِ خَبَرٍ لَا أَصْلَ لَهُ.

(الفصول فی الاصول: ج 3 ص 37)

ترجمہ: حدیث متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو نقل کرنے والی جماعت اتنی بڑی ہو کہ اس کا کسی بے بنیاد خبر پر اتفاق کر لینا عادتاً محال ہو۔

فائدہ: حدیث متواتر کی دو قسمیں ہیں:

متواتر لفظی:

علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) لکھتے ہیں:  
هُوَ مَا تَوَاتَرَ لَفْظُهُ.

(تدریب الراوی للسیوطی: ج 2 ص 162)

ترجمہ: متواتر لفظی وہ حدیث ہے جس کے الفاظ تواتر سے منقول ہوں۔

مثال:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ الْمُغِيرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبِ عَلَيَّ أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَنْبَوْا مَفْعَدَهُ مِنَ النَّارِ."

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 1291)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ پر جھوٹ بولنا اس طرح نہیں جیسے ایک عام آدمی پر جھوٹ بولنا ہوتا ہے، (بلکہ) جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔

علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (ت 676ھ) اس حدیث کو متواتر شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

إِنَّهُ مُتَوَاتِرٌ ذَكَرَ أَبُو بَكْرٍ الْبَزَّازُ فِي مُسْنَدِهِ أَنَّهُ رَوَاهُ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَحْوَ مِنْ أَرْبَعِينَ نَفْسًا مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ..... وَذَكَرَ بَعْضُ الْحَفَاطِ أَنَّهُ رُوِيَ عَنِ اثْنَيْنِ وَسِتِّينَ صَحَابِيًّا وَفِيهِمُ الْعَشْرَةُ الْمَشْهُودُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ .

(شرح مسلم للنووی: ج 1 ص 8)

ترجمہ: یہ حدیث (مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا) متواتر ہے۔ امام ابو بکر بزاز رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے کہ اس حدیث کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً چالیس صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ نیز بعض حفاظ حدیث نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث باسٹھ صحابہ سے مروی ہے جن میں عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

**متواتر معنوی:**

علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) لکھتے ہیں:

هُوَ أَنْ يَنْقُلَ جَمَاعَةٌ يَسْتَحِيلُ تَوَاطُؤُهُمْ عَلَى الْكُذِبِ وَقَائِعَ مُخْتَلَفَةً تَشْتَرِكُ فِي أَمْرٍ يَتَوَاتَرُ ذَلِكَ الْقَدْرُ الْمُشْتَرِكُ .

(تدریب الراوی للسیوطی: ج 2 ص 162)

ترجمہ: متواتر معنوی یہ ہے کہ ایک جماعت جس کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو ایسے مختلف واقعات نقل کرے جن میں پائی جانے والی قدر مشترک بات حد تواتر کو پہنچ گئی ہو۔

**مثال:** احادیث نزول عیسیٰ علیہ السلام

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَاءِ فَبِكُمْ وَإِمَامَكُمْ مِنْكُمْ."

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج 2 ص 166 باب قول اللہ عزوجل "إني متوفيك")

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری خوشی کا اس وقت کیا عالم ہو گا جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تم میں آسمان سے نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔ (یعنی امام مہدی کی اقتداء کریں گے)

شیخ الاسلام علامہ زاہد بن الحسن الکوثری (ت 1371ھ) نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث کے متعلق لکھتے ہیں:

وَالْتَوَاتُرُ فِي حَدِيثِ نَزُولِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ تَوَاتُرٌ مَعْنَوِيٌّ حَيْثُ تَشَارَكْتَ أَحَادِيثُ كَثِيرَةٌ جِدًّا .

(العقيدة وعلم الكلام للكوثری: ص 70)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی احادیث میں پائے جانے والا تواتر؛ تواتر معنوی ہے کیونکہ اس میں بہت زیادہ احادیث پائی جاتی ہیں۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث لفظی طور پر اگرچہ متواتر نہیں لیکن معنوی طور پر متواتر ہیں کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ اس لیے اس عقیدہ کا منکر کافر ہو گا۔

## [3]: اجماع

شیخ محمد اعلیٰ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1191ھ) لکھتے ہیں:

هُوَ اتِّفَاقُ الْمُجْتَهِدِينَ مِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَصْرِ عَلَى حُكْمٍ شَرْعِيٍّ.

(کشاف اصطلاحات الفنون للتھانوی: ج 1 ص 238)

ترجمہ: اجماع امت سے مراد امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجتہدین کا کسی زمانہ میں کسی بھی حکم شرعی پر اتفاق کر لینا ہے۔

فائدہ نمبر 1: اجماع کی کئی ایک اقسام ہیں جن کی تفصیل اجماع کی بحث میں آرہی ہے۔

فائدہ نمبر 2: دلیل قطعی میں ”اجماع“ سے مراد ”صحابہ رضی اللہ عنہم کا قولی اجماع“ ہے۔

مثال: خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اجماع

شیخ احمد المعروف ملا جیون رحمہ اللہ (ت 1130ھ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس اجماع کی مثال بیان کرتے ہوئے

لکھتے ہیں:

وَمِنْهُ الْأَجْمَاعُ عَلَى خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

(نور الانوار: ص 234)

ترجمہ: اس (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قولی اجماع) کی مثال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہے۔

دلیل ظنی:

اس دلیل کو کہتے ہیں جس کا ثبوت یقینی نہ ہو یا اس کا مفہوم بالکل واضح نہ ہو۔

دلیل ظنی کی چار قسمیں ہیں:

(1) قطعی الثبوت ظنی الدلالت

ایسی دلیل جو ثبوت کے اعتبار سے قطعی و یقینی ہو (یعنی ہر زمانہ میں اس کے نقل کرنے والے اس قدر زیادہ ہوں کہ ان

سب کا جھوٹی خبر پر اتفاق کر لینے کو عقل محال سمجھتی ہو) لیکن دلالت کے اعتبار سے یقینی نہ ہو (یعنی اس کا مفہوم حتمی اور واضح نہ

ہو، اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال پایا جاتا ہو)

مثال: مؤول آیات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۗ﴾

(سورۃ البقرہ: 228)

ترجمہ: اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہے وہ اپنے آپ کو تین قروء تک روکے رکھیں۔

یہاں لفظ ”قُرُوءٍ“ میں احتمال ہے کہ اس سے مراد ”طہر“ کے ایام ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد ”حیض“

کے ایام ہوں۔ اس احتمال کی وجہ سے یہ ظنی الدلالت ہوگی اور چونکہ قرآن کریم کی آیت ہے اس لیے قطعی الثبوت ہوگی۔

## (2) ظنی الثبوت قطعی الدلالت

ایسی دلیل جو ثبوت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی نہ ہو (یعنی ہر زمانہ میں اس کے نقل کرنے والے اس قدر زیادہ نہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹی خبر پر اتفاق کر لینے کو عقل محال سمجھتی ہو) لیکن دلالت کے اعتبار سے یقینی ہو (یعنی اس کا مفہوم حتمی اور واضح ہو، اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو)

مثال: وہ اخبار آحاد جو کسی دوسرے معنی کا احتمال نہیں رکھتیں یعنی جن کا مفہوم قطعی ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ فَاطِمَةَ وَالْعَبَّاسَ أَتَيَا أَبَا بَكْرٍ يَلْتَمِسَانِ مِيرَاتَهُمَا أَرْضَهُ مِنْ فَدَكٍ وَسَهْمَهُ مِنْ خَيْبَرَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا نُورَثُ مَا تَرَكَنَا صَدَقَةً." إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ فِي هَذَا الْمَالِ.

(صحیح البخاری: ج 2 ص 576 کتاب المغازی، باب حَدِيثِ بَنِي النَّضِيرِ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فدک کی زمین اور خیبر کے حصے میں سے اپنی میراث لینے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارا (یعنی انبیاء علیہم السلام کی جماعت) کا کوئی وارث نہیں بنتا، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اس مال سے کھا سکتے ہیں (لیکن بطور وراثت نہیں لے سکتے۔)

یہ حدیث؛ خبر واحد ہے، اس لیے کہ اس کا ثبوت قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے لیکن اس کی دلالت اپنے مفہوم پر قطعی ہے کیونکہ اس روایت کے الفاظ "لَا نُورَثُ مَا تَرَكَنَا صَدَقَةً" (کہ ہمارا کوئی وارث نہیں بنتا، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے) اس معنی میں واضح اور صریح ہے کہ یہاں مال کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔ اس مفہوم پر تصریح اسی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما فدک اور خیبر کے مال ہی میں وراثت کا تقاضا کرنے آئے تھے۔

## (3) ظنی الثبوت ظنی الدلالت

ایسی دلیل جو ثبوت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی نہ ہو (یعنی ہر زمانہ میں اس کے نقل کرنے والے اس قدر زیادہ نہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹی خبر پر اتفاق کر لینے کو عقل محال سمجھتی ہو) اور دلالت کے اعتبار سے بھی یقینی نہ ہو (یعنی اس کا مفہوم حتمی اور واضح نہ ہو، اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال پایا جاتا ہو)

مثال: وہ اخبار آحاد جو متعدد معانی کا احتمال رکھتی ہیں جن کا مفہوم ظنی ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَنْفَرَقَا.

(سنن الترمذی: باب ما جاء في البيعين بالخيار مالم يتفرقا، رقم الحديث 1245)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خرید و فروخت کرنے والے دونوں فریقین کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں۔

یہ حدیث؛ خبر واحد ہے، اس لیے اس کا ثبوت قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے۔ اسی طرح اس کی اپنے مفہوم پر دلالت بھی قطعی نہیں کیونکہ اس میں ”مَا لَمْ يَتَّفَرَّقَا“ میں دو احتمال ہیں: تفرق بالا قوال اور تفرق بالابدان، اس لیے اس کی دلالت بھی اپنے معنی پر ظنی ہوئی۔

#### (4) استنباط

قرآن و حدیث میں غور و فکر کر کے نئے پیش آنے والے مسائل کا حکم نکالنے کا نام ”استنباط“ ہے۔

مثال:

انبیاء علیہم السلام کا فرشتوں سے افضل ہونا

چنانچہ امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی رحمۃ اللہ علیہ (ت 604ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ: ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَالْإِسْمَاعِيلَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ [سورة آل عمران: 33] مَنَعَاهُ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ اصْطَفَاهُمْ عَلَىٰ كُلِّ الْمَخْلُوقَاتِ وَلَا شَكَّ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ مِنَ الْمَخْلُوقَاتِ، فَهَذِهِ الْآيَةُ تَقْتَضِي أَنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ اصْطَفَىٰ هَؤُلَاءِ الْأَنْبِيَاءَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ.

(التفسير الكبير للرازي: ج 2 ص 312 تحت تفسير سورة البقرة. آیت: وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ الْخ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَالْإِسْمَاعِيلَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ کہ ”بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں سے پسند کیا“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام کو تمام مخلوقات میں سے چنا۔ ظاہر ہے کہ فرشتے بھی مخلوقات میں داخل ہیں، اس لیے اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو فرشتوں پر بھی برتری عطا کی ہے۔

فائدہ نمبر 1:

عقائد کی جو تقسیم قطعی اور ظنی کے اعتبار سے ہم نے کی یہی تقسیم مشہور متکلم علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) نے بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

إِنَّ الْمَسَائِلَ الْأَعْتَادِيَّةَ فِسْمَانِ:  
أَحَدُهُمَا: مَا يَكُونُ الْمَطْلُوبُ فِيهِ الْيَقِينُ كَوَحْدَةِ الْوَاجِبِ تَعَالَىٰ وَصِدْقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ،  
وَالثَّانِيهِمَا: مَا يَكْتَفَىٰ فِيهَا بِالظَّنِّ كَهَذِهِ الْمَسْئَلَةِ وَالْإِكْتِفَاءُ بِالذَّلِيلِ الظَّنِّي إِنْمَا لَا يَجُوزُ فِي الْأَوَّلِ بِخِلَافِ الثَّانِي.

(النبراس شرح شرح العقائد: ص 358)

ترجمہ: اعتقادات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن میں شریعت کو یقین مطلوب ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین ان کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی ضروری ہے

اور دوسری قسم وہ عقائد جن میں دلیل ظنی بھی کافی ہے جیسے یہ مسئلہ (انبیاء کرام علیہم السلام کا ملائکہ سے افضل ہونا) دلیل ظنی اول یعنی قطعی عقیدہ میں کافی نہیں بخلاف عقیدہ ظنی کے (کہ عقیدہ ظنی میں دلیل ظنی بھی کافی ہوتی ہے) فائدہ نمبر 2:

عقیدہ قطعی کے لیے دلیل قطعی اور عقیدہ ظنی کے لیے دلیل ظنی درکار ہوتی ہے، یہ رائے ہماری نہیں بلکہ علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ ت 1239ھ کی بھی یہی رائے ہے۔

چنانچہ علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَتَأْنِيهِمَا: مَا يُكْتَفَى فِيهَا بِالظَّنِّ كَهَذِهِ الْمَسْئَلَةِ وَالْإِكْتِفَاءُ بِالذَّلِيلِ الظَّنِّي إِنَّمَا لَا يَجُوزُ فِي الْأَوَّلِ بِخِلَافِ الثَّانِي.

(النبراس شرح شرح العقائد: ص 358)

ترجمہ: (اعتقادات کی) دوسری قسم وہ عقائد جن میں دلیل ظنی بھی کافی ہے جیسے یہ مسئلہ (انبیاء کرام علیہم السلام کا ملائکہ سے افضل ہونا) دلیل ظنی اول یعنی قطعی عقیدہ میں کافی نہیں بخلاف عقیدہ ظنی کے (کہ عقیدہ ظنی میں دلیل ظنی بھی کافی ہوتی ہے) فائدہ نمبر 3:

اوپر ذکر کی گئی تفصیل سے ثابت ہوا کہ ہر عقیدہ کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی کا مطالبہ کرنا درست نہیں بلکہ دلیل عقیدہ کے مطابق دی جائے گی۔ اگر کسی عقیدہ کے ماننے والے کو ”مومن“ اور نہ ماننے والے کو ”کافر“ کہا جائے تو اس کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہوگی اور اگر ماننے والے کو ”اہل السنۃ والجماعۃ“ اور نہ ماننے والے کو ”اہل بدعت“ کہا جائے تو دلیل قطعی کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ دلیل ظنی بھی کافی ہوگی۔

فائدہ نمبر 4:

اسلام کے بنیادی عقیدے تین ہیں:

1. توحید باری تعالیٰ
2. نبوت و رسالت
3. قیامت و آخرت

## فائدہ نمبر 5:

ان بنیادی عقیدوں کے لئے دلائل عقلیہ مثبت ہیں اور دلائل نقلیہ موید ہیں۔

مشہور مؤرخ و فقیہ ابو زید عبد الرحمن بن محمد بن محمد بن خلدون المعروف ابن خلدون رحمہ اللہ (ت 808ھ) علم الکلام

کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هُوَ عِلْمٌ يَتَضَمَّنُ الْحُجَجَ عَنِ الْعَقَائِدِ الْإِيمَانِيَّةِ بِالْأَدِلَّةِ الْعَقْلِيَّةِ وَالرَّدَّ عَلَى الْمُبْتَدِعَةِ الْمُنْحَرِفِينَ فِي الْإِعْتِقَادَاتِ عَنِ مَذَاهِبِ السَّلَفِ وَأَهْلِ السُّنَّةِ.

(تاریخ ابن خلدون: ج 1 ص 458)

ترجمہ: علم الکلام وہ علم ہے جس میں عقلی دلائل کے ذریعہ ایمانی عقائد کا دفاع کیا جاتا ہے اور اہل سنت، اسلاف کے عقیدہ سے انحراف کرنے والے اہل بدعت کا دلائل سے رد کیا جاتا ہے۔

## دلیل نمبر 1:

(1): ﴿قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (١٦)

(سورۃ یونس: 16)

ترجمہ: آپ فرمادیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو میں اس (قرآن کریم) کو تمہارے سامنے نہ پڑھتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس سے تمہیں واقف کرواتا۔ میں تو اس سے پہلے ایک عرصہ تم میں رہ چکا ہوں۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

## استدلال:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے سامنے اپنی نبوت پر عقلی دلیل پیش فرمائی تھی کہ جو شخص چالیس سال تک خلاف حقیقت باتیں کرنے سے بچتا رہا اور تم اس کی صداقت پر خود گواہی بھی دیتے ہو تو وہ نبوت کے بارے میں غلط دعویٰ کیسے کر سکتا ہے؟

## دلیل نمبر 2:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ صَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الصَّفَا فَجَعَلَ يُنَادِي: يَا بَنِي فَهْرٍ! يَا بَنِي عَدِيٍّ! لِبُطُونِ قُرَيْشٍ حَتَّى اجْتَمَعُوا فَجَعَلَ الرَّجُلُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَخْرُجَ أَرْسَلَ رَسُولًا لِيَنْظُرَ مَا هُوَ فَجَاءَ أَبُو لَهَبٍ وَقُرَيْشٌ فَقَالَ: "أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ حَيًّا بِالْوَادِي تُرِيدُ أَنْ تُغَيِّرَ عَلَيْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟" قَالُوا: نَعَمْ! مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا، قَالَ: "فَأِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ." فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ: نَبَأَ لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ، أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا؟ فَنَزَلَتْ ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ﴾

(صحیح البخاری: کتاب التفسیر باب وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ وَاحْفَظْ جَنَاحَكَ)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آیت ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ کہ ”اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے“ نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور پکار کر فرمانے لگے: اے بنی فہر! اے بنی عدی! - قریش کی ذیلی شاخ والوں کو- اس آواز پر سب لوگ جمع ہو گئے۔ اگر کوئی شخص خود نہ آسکا تو اس نے اپنا کوئی نمائندہ بھیج دیا تاکہ معلوم ہو کہ بات کیا ہے! ابو لہب بھی قریش کے ان لوگوں کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس وادی میں سے (یعنی اس پہاڑ کے پیچھے سے) ایک لشکر تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم لوگ میری بات کو سچ مانو گے؟ ان سب نے کہا کہ بالکل ہم آپ کی تصدیق کریں گے، ہم نے ہمیشہ آپ کو سراپا سچا ہی پایا ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میں تمہیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو بالکل تمہارے سامنے ہے۔ اس پر ابو لہب بولا: تم پر آج کا سارا دن تباہی ہو، کیا تم نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ﴾ کہ ”ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ برباد ہو گیا، اس کا مال اس کے کام آیا نہ اس کی کمائی۔“

### استدلال:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے سامنے اپنی نبوت پر عقلی دلیل پیش فرمائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی سراپا صدق و امانت پر مبنی ہے جس کی گواہی خود قریش بھی دے رہے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بارے میں غلط دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں؟

### دلیل نمبر 3:

اگر کسی شخص میں عقل موجود ہو اور اس کے پاس نقل نہ پہنچے وہ تب بھی ایمان لانے کا مکلف ہو گا اور کسی میں عقل موجود نہ اور اس کے پاس نقل پہنچ جائے وہ تب بھی ایمان لانے کا مکلف نہیں ہو گا۔

امام نظام الدین ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم الخراسانی الشاشی الحنفی (ت 335ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَوْ لَمْ يَبْعَثِ اللَّهُ تَعَالَى رَسُوْلًا لَوْجَبَ عَلَى الْعُقَلَاءِ مَعْرِفَتُهُ بِعُقُوْلِهِمْ.

(اصول الشاشی: ص 50 فصل فی الامر)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ کسی رسول کو مبعوث نہ فرماتے تب بھی عقل مندوں پر عقل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ضروری ہوتا۔

### دلیل نمبر 4:

اگر کوئی کافر وجود باری تعالیٰ پر دلیل مانگے تو اسے عقلی دلیل دی جائے گی کیونکہ اگر ہم قرآن پیش کریں گے تو وہ کہے گا کہ میں تو وجود خدا نہیں مانتا، کلام خدا کیسے مان لوں گا؟ تو ہم پہلے عقلی دلیل سے وجود خدا منوائیں گے اس کے بعد کلام خدا پیش کریں گے۔

## ترجیح عقیدۃ الاسلاف

اگر اہل السنۃ والجماعۃ کا کوئی عقیدہ و نظریہ بظاہر قرآن کریم کی کسی آیت یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فرمان سے ٹکرا جائے تو اس وقت دیکھا جائے کہ ان آیات و احادیث کے ہوتے ہوئے اسلاف کا عقیدہ کیا تھا۔ جو ان کا عقیدہ ہو اسی کو لیا جائے گا کیونکہ آیات و احادیث ان کے موافق ہوتی ہیں جو بظاہر اس کے خلاف نظر آرہی ہوتی ہیں۔

چنانچہ امام ابو الحسن عبید اللہ ابن الحسین الکرخی رحمہ اللہ ت 340ھ لکھتے ہیں:

أَنَّ كُلَّ آيَةٍ تُخَالِفُ قَوْلَ أَصْحَابِنَا فَإِنَّهَا تُحْمَلُ عَلَى النَّسْخِ أَوْ عَلَى التَّرْجِيحِ وَالْأَوْلَى أَنْ تُحْمَلَ عَلَى التَّأْوِيلِ مِنْ جِهَةِ التَّوْفِيقِ.

(اصول الکرخی: ص 2)

ترجمہ: ہر وہ آیت جو ہمارے فقہاء کے قول کے خلاف ہوگی تو اس کو نسخ پر محمول کیا جائے گا یا ترجیح پر محمول کیا جائے گا اور بہتر یہ ہے کہ ان دونوں میں تاویل کر کے تطبیق کی صورت پیدا کی جائے۔

فائدہ:

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اصحاب کے علم میں دلیل ناسخ یا دلیل مرجح ہوتی ہے لیکن ہمیں اس دلیل کا علم

نہیں ہوتا۔

مثال نمبر 1:

عقیدہ: اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا مکان اور بلا جہت موجود ہے۔

شیخ محمد عربی النّبانی المالکی المعروف ابو حامد بن مرزوق، مدرس حرم کی (ت 1390ھ) لکھتے ہیں:

إِتَّفَقَ الْعُقَلَاءُ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ؛ الشَّافِعِيَّةِ وَالْحَنَفِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةِ وَفَضْلَاءِ الْحَنَابِلَةِ وَغَيْرِهِمْ عَلَى أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مُنْزَعٌ عَنِ الْجِهَةِ وَالْجِسْمِيَّةِ وَالْحَدِّ وَالْمَكَانِ وَمُشَابَهَةٌ مَخْلُوقَاتِهِمْ.

(براءۃ الاشعریین من عقائد الخالفین: ج 1 ص 79)

ترجمہ: اہل السنۃ کے تمام عقلاء یعنی شوافع، احناف، مالکیہ اور فاضل حنابلہ اور دیگر اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جہت، جسم، حد، مکان اور اپنی مخلوقات کی مشابہت رکھنے سے پاک ہے۔

یہ عقیدہ بظاہر قرآن کریم کی آیت ﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾ (سورۃ الاعراف: 54)

کے خلاف ہے، اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک عرش پر ہیں لیکن حقیقت میں یہ آیت کے خلاف نہیں

اس لیے کہ اس کا معنی وہ نہیں جو بظاہر نظر آرہا ہے بلکہ یہاں استواء علی العرش سے مراد اللہ تعالیٰ کا عرش پر غالب ہونا ہے۔

امیر المومنین فی الحدیث ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ ت 256ھ فرماتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ { اسْتَوَى } عَلَا عَلَى الْعَرْشِ. (صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء)

ترجمہ: امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”استواء علی العرش“ کا معنی اللہ تعالیٰ کا عرش پر غالب ہونا ہے۔

## مثال نمبر 2:

**عقیدہ:** انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوئی (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

وَالْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلُّهُمْ مُنْزَهُونَ عَنِ الصَّغَائِرِ وَالْكَبَائِرِ وَالْكَفْرِ وَالْقَبَائِحِ.

(الفقه الاکبر: ص 3)

ترجمہ: تمام انبیاء علیہم السلام صغیرہ وکبیرہ گناہوں اور کفر و بے ہودہ کاموں سے پاک ہوتے ہیں۔

یہ عقیدہ بظاہر قرآن کریم کی آیت

﴿وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى﴾ (سورۃ طہ: 121)

کے خلاف ہے، اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں ہیں لیکن حقیقت میں یہ آیت کے

خلاف نہیں اس لیے کہ اس کا معنی وہ نہیں جو بظاہر نظر آ رہا ہے بلکہ یہاں عصى سے مراد ”نافرمانی“ نہیں بلکہ لغزش سرزد ہونا اور بھول جانا ہے۔

الْمَعْصِيَةُ مَصْدَرٌ وَقَدْ تُطْلَقُ عَلَى الزَّلَّةِ مَجَازًا.

(ہدایۃ الساری الی دراستۃ البخاری للعلامة امداد الحق السلھتی البنغلادیشی: ج 1 ص 107)

ترجمہ: لفظ ”معصیۃ“ مصدر ہے اور اس کا اطلاق کبھی کبھی ”زلت“ (آدمی کا بغیر قصد و ارادہ کے پھسل جانا) پر بھی کر دیا جاتا ہے۔

تو ”عصى“ کا معنی ہے کہ بغیر ارادہ نافرمانی کے وہ کام کیا جائے جو نہیں کرنا چاہیے۔ اور معصیت بمعنی ”گناہ“ میں ارادہ نافرمانی کو دخل ہوتا ہے، اور معصیت بمعنی ”زلت“ میں بغیر ارادہ نافرمانی کے لغزش سرزد ہوتی ہے۔

اسی طرح یہاں ”غوی“ کا لفظ ہے جو ”غَوَايَةُ“ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے ”مشقت میں پڑ جانا“۔ اب آیت کا

معنی یہ ہو گا کہ آدم علیہ السلام سے لغزش ہو گئی جس کی وجہ سے جنت کی عیش جاتی رہی اور آپ علیہ السلام کو دنیا میں بھیج دیا گیا، دنیا کی زندگی تلخ ہو گئی اور آپ کو مشقت اور مشکلات پیش آئیں۔

**فائدہ:** اس کی مزید تفصیلات بندہ کی تصنیف ”عصمت انبیاء علیہم السلام“ میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

## مثال نمبر 3:

**عقیدہ:** حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں نماز ادا کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (ت 1369ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ كَمَا نَقَرَّرَ وَ إِنَّهُ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ.

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ج 3 ص 419 باب فضل الصلاة بمسجدی مکة و المدينة)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی قبر میں) زندہ ہیں جیسا کہ یہ بات اپنی جگہ ثابت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر

مبارک میں نماز پڑھتے ہیں۔

یہ عقیدہ بظاہر قرآن کریم کی آیت

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ (سورۃ الحج: آیت 99)

ترجمہ: آپ اپنے رب کی عبادت کیجیے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو جائے۔

کے خلاف ہے، اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد عبادت نہیں ہوتی لیکن حقیقت میں یہ آیت کے

خلاف نہیں اس لیے کہ اس کا معنی وہ نہیں جو بظاہر نظر آ رہا ہے کیونکہ عبادت کی دو قسمیں ہیں:

### 1: عبادت تکلیفی:

جس کے کرنے کا انسان کو حکم ہو اور جس کے کرنے پہ ثواب نہ کرنے پہ گناہ ہو جیسے پانچ وقت کی نماز۔

### 2: عبادت تلذذی:

جس کے کرنے کا حکم نہ ہو انسان اس کا مکلف نہ ہو اور نہ ہی اس کے کرنے پہ ثواب اور ترک پہ گناہ ہو بلکہ وہ صرف لذت

کے لئے کی جائے۔

موت تک کی جانے والی عبادت عبادت تکلیفی ہوتی ہے جبکہ موت کے بعد کی جانے والی عبادت عبادت تلذذی ہوتی

ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی رحمہ اللہ ت 855ھ فرماتے ہیں:

فَإِنْ قُلْتَ: مَا الدَّاعِي إِلَىٰ عِبَادَتِهِمْ بَعْدَ الْمَوْتِ وَمَوْضِعُ الْعِبَادَةِ دَارُ الدُّنْيَا؟ قُلْتُ: حُبَّبَتْ إِلَيْهِمُ الْعِبَادَةُ فَهُمْ مُتَعَدِّدُونَ بِمَا يَجِدُونَهُ مِنْ دَوَاعِي أَنْفُسِهِمْ لَا بِمَا يُلْزَمُونَ بِهِ.

(عمدة القاری شرح البخاری: ج 9 ص 181 باب التلبیہ اذا انحدرت فی الوادی)

ترجمہ: اگر کوئی سوال کرے کہ انبیاء کرام علیہم السلام موت کے بعد عبادت کیسے کرتے ہیں جبکہ عبادت کی جگہ تو دنیا ہے؟ تو

جواب یہ ہے کہ عبادت کو انبیاء کی پسندیدہ چیز بنا دیا جاتا ہے تو موت کے بعد وہ قلبی لذت کے لئے عبادت کرتے ہیں نہ کہ مکلف

ہونے کی وجہ سے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) یہ حدیث پاک نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”یہ تکلیفی نہیں بلکہ تلذذ کے لئے ہے۔“

(نشر الطیب فی ذکر النبی الحیب: ص 220 فصل نمبر 28)

## مراجعة المعنى الظاهري للنصوص

کہاں نص کا ظاہری معنی لینا ضروری ہے؟ کہاں نص کا ظاہری معنی ترک کرنا ضروری ہے؟ اور کہاں ظاہری معنی کو ترک کرنے کی گنجائش ہے؟ اس بارے میں چند اصول ذکر کیے جاتے ہیں:

### اصل نمبر 1:

نصوص (آیت اور حدیث) کو ان کے ظاہر پر رکھنا ضروری ہے۔ بغیر کسی دلیل شرعی کے نصوص (آیت اور حدیث) کے ظاہری معنی کو ترک کرنا اور غلط تاویل کر کے ظاہری معنی کے بجائے باطنی معنی مراد لینا جائز نہیں۔

امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد بن احمد النسفی الحنفی (ت 537ھ) لکھتے ہیں:

وَالنُّصُوصُ تُحْمَلُ عَلَى ظَوَاهِرِهَا وَالْعُدُولُ عَنْهَا الْحَادُّ.

(العقائد النسفية: ص 8)

ترجمہ: نصوص کو ظاہری معنی پر محمول کیا جائے گا اور نصوص کا ظاہری معنی چھوڑنا ”الحاد“ ہے۔

### مثال:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جنت اور اس کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

﴿وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾

(آل عمران: 133)

ترجمہ: اپنے رب کی جانب سے ملنے والی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، وہ متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔

﴿وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾

(سورة الزخرف: 72، 73)

ترجمہ: یہ وہ جنت ہے جس کا تمہیں اعمال کی وجہ سے وارث بنایا گیا ہے۔ اس میں تمہارے لیے بہت زیادہ میوے ہیں جن میں سے تم کھاؤ گے۔

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ﴾

(سورة محمد: 15)

ترجمہ: جس جنت کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو خراب نہیں ہوتا، دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا، شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے سراپا لذت ثابت ہوگی اور شہد کی نہریں ہیں جو نتھرا (صاف شدہ) ہوگا اور وہاں ان جنتیوں کے لیے تمام قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت بھی ہوگی۔

جبکہ سرسید احمد خان؛ جنت کی نعمتوں کا تذکرہ بلکہ - معاذ اللہ - ان کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ سمجھنا کہ جنت مثل باغ کے پیدا کی ہوئی ہے، اس میں سنگ مرمر کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں، باغ میں سرسبز شاداب درخت ہیں، دودھ و شراب و شہد کی نالیاں بہ رہی ہیں، ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے، ایسا یہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔ اگر بہشت یہی ہو تو بے مغالطہ ہمارے خرابات (شراب خانے) اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔“

(تفسیر القرآن از سرسید احمد خان: ج 1 ص 32)

## اصل نمبر 2:

اگر کسی نص (آیت اور حدیث) کا ظاہری معنی مراد لینا ممکن نہ ہو تو نص کی تاویل کرنا واجب ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ص 792 ہ فرماتے ہیں:

(وَالنُّصُوصُ) مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ (تُحْمَلُ عَلَى ظَوَاهِرِهَا) مَا لَمْ يَصْرَفْ عَنْهَا دَلِيلٌ قَطْعِيٌّ كَمَا فِي الْآيَاتِ الَّتِي تُشْعِرُ بِظَوَاهِرِهَا بِالْجِهَةِ وَالْجِسْمِيَّةِ.

(شرح العقائد النسفية: ص 167)

ترجمہ: کتاب و سنت کے نصوص کو ظاہری معنی پر محمول کیا جائے گا جب تک کوئی ایسی دلیل قطعی موجود نہ ہو جو اس کے ظاہری معنی سے عدول کا سبب بنے جیسے وہ آیات جن سے بظاہر اللہ تعالیٰ کے لئے خاص جہت اور جسم ثابت ہوتا ہے۔

## مثال:

﴿ أَمِنْتُمْ مَن فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴾

(سورة الملك: 16)

ترجمہ: کیا تم کو اس ذات کا خوف نہیں رہا جس کی سلطنت آسمان میں ہے، کہ وہ تمہیں زمین میں دھسا دے اور اس وقت زمین ہلنے لگے۔

اس آیت کا ظاہری معنی مراد لینا ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے آسمان میں ہے کیونکہ آسمان؛ عرش سے بہت چھوٹا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ عرش سے بھی چھوٹے ہوں حالانکہ دلائل قطعیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں۔

چنانچہ امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی رحمۃ اللہ علیہ (ت 604ھ) فرماتے ہیں:

وَاعْلَمُ! أَنَّ الْمُسْتَبَهَةَ احْتَجُّوا عَلَى إِنْبَاتِ الْمَكَانِ بِهِ تَعَالَى بِقَوْلِهِ: ﴿أَمِنْتُمْ مَن فِي السَّمَاءِ﴾، وَالْجَوَابُ عَنْهُ: أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ لَا يُمَكِّنُ إِجْرَاؤُهَا عَلَى ظَاهِرِهَا بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ، لِأَنَّ كَوْنَهُ فِي السَّمَاءِ يَفْتَضِي كَوْنَ السَّمَاءِ مُحِيطًا بِهِ مِنْ جَمِيعِ الْجَوَانِبِ، فَيَكُونُ أَصْغَرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَالسَّمَاءُ أَصْغَرُ مِنَ الْعَرْشِ بِكَثِيرٍ، فَيَلْزَمُ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ تَعَالَى شَيْئًا حَقِيرًا بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْعَرْشِ، وَذَلِكَ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ مُحَالٌ، وَلِأَنَّهُ تَعَالَى قَالَ: ﴿قُلْ لِمَنْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ لِلَّهِ﴾ فَلَوْ كَانَ اللَّهُ فِي السَّمَاءِ لَوَجِبَ أَنْ يَكُونَ مَالِكًا لِنَفْسِهِ وَهَذَا مُحَالٌ، فَعَلِمْنَا أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ يَجِبُ صَرْفُهَا عَنْ ظَاهِرِهَا إِلَى التَّأْوِيلِ.

(التفسير الكبير للرازي: ج 30 ص 69، 70 سورة الملك آية أَمِنْتُمْ مَن فِي السَّمَاءِ)

ترجمہ: یہ بات جان لیجئے کہ فرقہ مشبہ اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کو ثابت کرنے کے لیے اس آیت ﴿ءَأَمِنْتُمْ مَّن فِي السَّمَاءِ﴾ کہ ”کیا تمہیں اس ذات کا خوف نہیں رہا جو آسمانوں میں ہے“ سے استدلال کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت کا ظاہری معنی ہرگز مراد نہیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مانیں تو ماننا پڑے گا کہ آسمان اللہ تعالیٰ کو محیط ہو۔ نتیجتاً اللہ تعالیٰ آسمان سے چھوٹے قرار پائیں گے حالانکہ آسمان تو عرش سے بہت چھوٹا ہے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ عرش کی نسبت بہت چھوٹا ہو حالانکہ اس بات کے محال ہونے پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا ہے: ﴿قُلْ لِمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِلّٰهِ﴾ کہ ”آپ پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ اس کا جواب بھی خود فرمادیں کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے“ تو اگر اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مان لیا جائے تو اس سے یہ بات لازم ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کا مالک ہو اور یہ بات محال ہے۔ (کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک ہیں، مملوک نہیں) اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اس آیت کا ظاہری معنی ہرگز مراد نہیں بلکہ اس کی تاویل کرنا واجب ہے۔

### آیت کا صحیح مفہوم:

اس آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت اور سلطنت آسمان میں بھی ہے۔

چنانچہ امام فخر الدین محمد بن عمر بن حسین الرازی الشافعی (ت 606ھ) اس آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مَنْ فِي السَّمَاءِ سُلْطَانُهُ وَمُلْكُهُ وَقُدْرَتُهُ ، وَالْعَرْضُ مِنْ ذِكْرِ السَّمَاءِ تَفْخِيمٌ سُلْطَانِ اللّٰهِ وَتَعْظِيمٌ قُدْرَتِهِ .

(التفسیر الکبیر للرازی: ج 30 ص 70)

ترجمہ: اس سے مراد وہ ذات ہے جس کی بادشاہت، سلطنت اور قدرت آسمان میں ہے۔ آسمان کا تذکرہ کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بادشاہت اور اس کی قدرت کی بڑائی کو بیان کرنے کے لیے ہے۔

### اصل نمبر 3:

بسا اوقات نص (آیت اور حدیث) کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہوئے اس میں ایسا اشارہ خفیہ یا لطیفہ علمیہ ذکر کرنا جو ظاہر عبارت کے خلاف نہ ہو اور نہ ہی اس سے مقصودی معنی کی تردید ہوتی ہو جائز ہے۔

چنانچہ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

وَأَمَّا مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ بَعْضُ الْمُحَقِّقِينَ مِنْ أَنَّ النَّصُوصَ مَصْرُوفَةٌ عَلَى ظَوَاهِرِهَا وَمَعَ ذَلِكَ فِيهِ إِشَارَاتٌ خَفِيَّةٌ إِلَى دَقَائِقَ تَنْكَشِفُ عَلَى أَرْبَابِ السُّلُوكِ يُمَكِّنُ التَّطَبُّقَ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الظَّوَاهِرِ الْمُرَادَةِ فَهُوَ مِنْ كَمَالِ الْإِيْمَانِ وَمَحْضِ الْعِرْفَانِ .

(شرح العقائد النسفية: ص 167)

ترجمہ: بعض اہل حق محققین جو ظاہری معنی کے ساتھ ساتھ ایسے باطنی معنی بھی بیان کرتے ہیں جو اہل کشف پر کھلتے ہیں تو وہ الحاد نہیں بلکہ وہ ایمان کے کامل ہونے کی نشانی اور معرفت کی علامت ہے۔ اس لئے کہ وہاں ظاہری اور باطنی معنی میں تطبیق ہو سکتی

علامہ سید ابوالثناء محمود آلوسی آفندی بغدادی الحنفی (ت 1270ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا كَلَامُ السَّادَةِ الصُّوفِيَّةِ فِي الْقُرْآنِ فَهُوَ مِنْ بَابِ الْإِشَارَاتِ إِلَى دَقَائِقَ تَنْكَشِفُ عَلَى  
أَرْبَابِ السُّلُوكِ وَيُمْكِنُ التَّطْبِيقُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الظَّوَاهِرِ الْمُرَادَةِ وَذَلِكَ مِنْ كَمَالِ الْإِيمَانِ وَمَحْضِ  
الْعِرْفَانِ لَا أَنَّهُمْ اعْتَقَدُوا أَنَّ الظَّاهِرَ غَيْرُ مُرَادٍ أَصْلًا وَإِنَّمَا الْمُرَادُ الْبَاطِنُ فَقَطُّ إِذْ ذَاكَ اعْتِقَادُ  
الْبَاطِنِيَّةِ الْمُلَاحِذَةِ تَوَصَّلُوا بِهِ إِلَى نَفْيِ الشَّرِيعَةِ بِالْكَلِيَّةِ - وَحَاشَى سَادَتُنَا مِنْ ذَلِكَ - كَيْفَ وَقَدْ  
حَضُّوا عَلَى حِفْظِ التَّفْسِيرِ الظَّاهِرِ وَقَالُوا: لَا بُدَّ مِنْهُ أَوْ لَا.

(روح المعانی: ج 1 ص 7 مقدمہ التفسیر)

ترجمہ: قرآن کریم (کی تفسیر) کے بارے میں ساداتِ صوفیاء سے جو کلام منقول ہوتا ہے وہ دراصل ان دقیق نکات کی طرف اشارے ہوتے ہیں جو اہل سلوک پر منکشف ہوتے ہیں۔ (صوفیائے کرام کے) ان اشارات میں اور قرآن کریم کے ظاہری مفہوم میں جو حقیقتاً مراد ہوتا ہے؛ تطبیق ممکن ہوتی ہے۔ ان جیسے معنی کا بیان صوفیاء کے کمالِ ایمان اور اللہ تعالیٰ کے فیض کا نتیجہ ہوتا ہے۔ صوفیاء کا نظریہ ہرگز یہ نہیں کہ نصوص کا ظاہری مفہوم مراد نہیں اور باطنی مفہوم ہی مراد ہے اس لیے کہ یہ تو باطنی ملحدین کا عقیدہ ہے جسے انہوں نے شریعت کی بالکل نفی کرنے کا زینہ بنایا ہوا ہے، ہمارے صوفیاء کرام کا ان لوگوں کے اعتقاد سے کوئی واسطہ نہیں اور یہ ممکن بھی کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ صوفیاء نے اس بات کی پر زور تاکید کی ہے کہ قرآن کریم کی جو تفسیر ظاہر ہے اسی کو مقدم کیا جائے۔

مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۚ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَ لَيَشْهَدَنَّ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۲)

(سورۃ النور: 2)

ترجمہ: زنا کرنے والی عورت (اگر کنواری ہو) اور زنا کرنے والے مرد (اگر کنوارہ ہو) دونوں کو سو سو کوڑے مارو! تمہیں اللہ کے (دین کے) معاملہ کے میں ان پر ذرا بھی ترس نہیں کھانا چاہیے اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ان کو سزا دیتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو ضرور حاضر رہنا چاہیے۔

علامہ سید ابوالثناء محمود آلوسی آفندی بغدادی الحنفی (ت 1270ھ) اس آیت سے لطائف کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے

ہیں:

وَمِنْ بَابِ الْإِشَارَةِ مَا قِيلَ: إِنْ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلَيَشْهَدَنَّ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ إِشَارَةٌ  
إِلَى أَنَّهُ يَنْبَغِي لِلشَّيْخِ إِذَا أَرَادَ تَأْدِيبَ الْمُرِيدِ وَكَسَرَ نَفْسِهِ الْأَمَارَةَ أَنْ يُؤَدِّبَهُ بِمَحْضَرِ طَائِفَةٍ مِّنَ  
الْمُرِيدِينَ الَّذِينَ لَا يَحْتَاجُونَ إِلَى تَأْدِيبِ.

(روح المعانی: ج 18 ص 185 تحت قوله وَلَيَشْهَدَنَّ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ)

ترجمہ: اس آیت سے ماخوذ اشارہ یہ ہے کہ اس فرمان باری تعالیٰ ﴿وَلَيَشْهَدَنَّ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ کہ ”بدکار

عورت اور بدکار مرد کو سزا دیتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو ضرور حاضر رہنا چاہیے“ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شیخ جب مرید کی تادیب کرنا چاہے اور اس کے نفس امارہ (کے مکرو فریب کو) ختم کرنا چاہے تو اس مرید کی تادیب اپنے ان مریدین کے مجمع میں کرے جنہیں تادیب کی ضرورت نہیں۔

### اصل نمبر 4:

نصوص (آیت اور حدیث) میں ہر مقام پر ظاہری معنی چھوڑ کر ان کا صرف باطنی معنی مراد لینا جائز نہیں۔ نیز یہ اعتقاد رکھنا کہ نصوص کے کچھ ظواہر ہیں اور کچھ حقائق۔ حقائق سے ظواہر کو وہی نسبت ہے جو مغز کو چھلکے سے ہیں اور جہلاء صرف ظواہر کو جانتے ہیں اور عقلاء؛ حقائق سے واقف ہیں، باطل اور غلط ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) فرماتے ہیں:

(وَالْعُدُولُ عَنْهَا) أَيُّ عَنِ الظَّوَاهِرِ إِلَى مَعَانِ يَدَّعِيهَا أَهْلُ البَاطِنِ وَهُمْ المَلاحِدَةُ وَ سَمَّوُا البَاطِنِيَّةَ لِإِدْعَائِهِمْ أَنَّ النُّصُوصَ لَيْسَتْ عَلَى ظَوَاهِرِهَا بَلْ لَهَا مَعَانٍ بَاطِنِيَّةٌ لَا يَعْرِفُهَا إِلَّا المَعْلَمُ وَقَصْدُهُمْ بِذَلِكَ نَفْيُ الشَّرِيعَةِ بِالْكَلِمَةِ (الْحَادِّ) أَيُّ مَيْلٌ وَعُدُولٌ عَنِ الإِسْلَامِ وَاتِّصَالٌ وَالتِّصَاقُ بِكُفْرٍ لِكُونِهِ تَكْذِيبًا لِلنَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيمَا عَلَّمَ مَجِيئُهُ بِهِ بِالضَّرُورَةِ.

(شرح العقائد النسفية: ص 167)

ترجمہ: نصوص کا ظاہری معنی چھوڑ کر وہ معنی مراد لینا جو اہل باطن مراد لیتا ہے یہ الحاد ہے۔ اہل باطن سے مراد فرقہ باطنیہ ملحدین ہیں جن کا دعویٰ یہ ہے کہ نصوص کا ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ باطنی معنی مراد ہے جسے معلم (یعنی امام معصوم) جانتا ہے۔ اس فرقہ کا اس طرزِ عمل سے مقصود شریعت کی نفی کرنا ہے۔ ان لوگوں کا یہ فعل الحاد ہے، شریعت سے روگردانی ہے، اسلام کو چھوڑ کر کفر کے ساتھ خود کو ملا لینا ہے کیونکہ اس سے ان چیزوں کی تکذیب لازم آتی ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے۔

### مثال:

”فرقہ باطنیہ“ جو نصوص کے ظواہر کو چھوڑ کر خود ساختہ باطنی معانی مراد لیے ہیں۔ اس فرقہ کا یہ کہنا ہے کہ عقلاء ہی جانتے ہیں کہ نصوص کی اصل مراد حقائق ہیں، ظواہر نہیں۔ یہ عقلاء ”اہل اسرار“ ہیں جنہیں ”معلم“ بھی کہا جاتا ہے اور یہی ان باطنی معانی سے واقف ہوتے ہیں۔

فرقہ باطنیہ کے اس طرزِ عمل سے جہاں نصوص شرعیہ کی تکذیب لازم آتی ہے وہاں شریعت اسلامیہ کا ہر قول و عمل اپنی حقیقت کھو بیٹھتا ہے۔ اس لیے فرقہ باطنیہ کا یہ عمل الحاد اور شریعت کی حقیقت و ماہیت کو تبدیل کرنا ہے۔

چنانچہ مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ (ت 1999ء) فرقہ باطنیہ کی اس تحریف کے نمونے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”انہوں (یعنی فرقہ باطنیہ) نے نبی، وحی و نبوت، ملائکہ، آخرت اور اصطلاحات شرعیہ کی من مانی تشریح کرنی شروع کر دی جس کے بعض نادر نمونے یہ ہیں: ”نبی“ اس ذات کا نام ہے جس پر قوتِ قدسیہ صافیہ کا فیضان ہو، ”جبریل“ کسی ہستی کا نام نہیں صرف فیضان کا نام ہے، ”معاد“ سے مراد ہر چیز کا اپنی حقیقت کی طرف واپس آجانا ہے، ”جنابت“ سے مراد افشائے راز ہے

، ”غسل“ سے مراد تجدید عہد، ”زنا“ سے مراد علم باطن کے نطفہ کو کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا جو عہد میں شریک نہ ہو، ”طہارت“ سے مراد مذہبِ باطنیہ کے علاوہ ہر مذہب سے براءت، ”تیمم“ سے مراد ماذون (اجازت یافتہ) سے علم کا حصول، ”صلوٰۃ“ سے مراد امام وقت کی طرف دعوت، ”زکوٰۃ“ سے مراد اہل استعداد و صفائے اشاعتِ علم، ”صیام“ (روزہ) سے مراد افشائے راز سے پرہیز و احتیاط، ”حج“ سے مراد اس علم کی طلب جو عقل کا قبلہ اور منزل مقصود ہے، ”جنت“ علم باطن، ”جہنم“ علم ظاہر، ”کعبہ“ خود نبی کی ذات ہے، ”باب کعبہ“ سے مراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات، قرآن مجید میں ”طوفان نوح“ سے مراد علم کا طوفان ہے جس میں اہل شہادت غرق کر دیے گئے، ”آتش نمرود“ سے مراد نمرود کا غصہ ہے نہ کہ حقیقی آگ، ”ذبح“ سے مراد جس کا ابراہیم کو حکم دیا گیا تھا بیٹے سے عہد لینا، ”یا جوج ماجوج“ سے مراد اہل ظاہر ہیں، ”عصائے موسیٰ“ سے مراد ان کی دلیل اور حجت ہے، وغیرہ وغیرہ۔ (قواعد عقائد آل محمد (باطنیہ) تالیف محمد بن حسن الدیلیمی یمانی، زمانہ تالیف سن 707ھ، ص 8 تا 16)

(تاریخ دعوت و عزیمت: ج 1 ص 126)

فائدہ: اصل نمبر 3 اور 4 میں فرق

صوفیہ؛ ظاہری معنی مراد لے کر اسے یقینی قرار دیتے ہوئے ”اشارہ خفیہ“ کے قائل ہیں جبکہ فرقہ باطنیہ؛ ظاہری معنی ترک کر کے صرف باطنی معنی مراد لیتے ہیں۔

فرقہ باطنیہ کا تعارف:

فرقہ باطنیہ کا بانی ”حسن بن صباح“ تھا۔ اس کا سلسلہ نسب یوں ہے: ”حسن بن علی بن محمد بن جعفر بن حسین بن الصباح الحمیری“۔ یہ سن 425ھ میں خراسان کے شہر طوس میں پیدا ہوا۔ حسن بن صباح ذہین آدمی تھا۔ یہ نظام الملک خواجہ حسن طوسی، جدید علم کلام کے بانی علامہ ابن رشد اور مشہور شاعر و مفکر عمر خیام کا ہم عصر تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر تک اس نے ریاضی، نجوم اور سحر وغیرہ مختلف علوم حاصل کیے۔ اس نے اپنے لیے ”شیخ الجبال“ کا لقب استعمال کیا۔ سلجوق حکومت نے اس کی کارستانیوں کی وجہ سے اسے اپنی حدودِ سلطنت سے باہر نکال دیا۔ اس سے اپنے غلط عقائد و نظریات عوام میں متعارف کیے اور اپنی ایک جماعت تیار کر لی۔ ایک قلعہ تعمیر کیا اور اپنی فوج بھی تیار کی۔ اس شخص نے اپنی ایک جنت بھی بنائی تھی۔ یہ شخص 26 ربیع الثانی 518ھ میں فوت ہوا۔

## اجماع

### اجماع کا لغوی معنی:

شیخ محمد اعلیٰ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1191ھ) لکھتے ہیں:  
 الْأَجْمَاعُ فِي اللَّغَةِ هُوَ الْعَزْمُ، يُقَالُ: أَجْمَعَ فُلَانٌ عَلَى كَذَا أَيْ عَزَمَ، وَالِاتِّفَاقُ، يُقَالُ: أَجْمَعَ  
 الْقَوْمُ عَلَى كَذَا أَيْ اتَّفَقُوا.

(کشاف اصطلاحات الفنون للتھانوی: ج 1 ص 238)

ترجمہ: اجماع کے لغت میں دو معنی ہیں:

۱: کسی چیز کا پختہ ارادہ کر لینا۔ جب کوئی شخص کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو بطور محاورہ کہا جاتا ہے ”اجمع فلان علی کذا“

۲: کسی چیز پر لوگوں کا اتفاق کر لینا۔ چنانچہ جب قوم کسی بات پر متفق ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے: ”اجمع القوم علی کذا“  
 اجماع کا اصطلاحی معنی:

شیخ محمد اعلیٰ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1191ھ) لکھتے ہیں:

هُوَ اتِّفَاقُ الْمُجْتَهِدِينَ مِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَصْرِ عَلَى حُكْمٍ شَرْعِيٍّ.  
 (کشاف اصطلاحات الفنون للتھانوی: ج 1 ص 238)

ترجمہ: اجماع: امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجتہدین کا کسی زمانہ میں کسی حکم شرعی پر اتفاق کر لینا ہے۔

### اجماع؛ دلیل شرعی

[1]: ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَ  
 نُصَلِّهِ جَهَنَّمَ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (۱۱۵)﴾

(سورۃ النساء: 115)

ترجمہ: جو شخص ہدایت واضح ہونے کے باوجود رسول کی مخالفت کرے اور ایمان والوں سے ہٹ کر الگ راستہ پر چلے تو ہم اسے اس کے اختیار کردہ راستہ پر چلا دیتے ہیں اور اسے جہنم میں داخل کریں گے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔

فقہ ابو الیث نصر بن محمد بن احمد سمرقندی (ت 373ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَفِي الْآيَةِ دَلِيلٌ: أَنَّ الْأَجْمَاعَ حُجَّةٌ لِأَنَّ مَنْ خَالَفَ الْأَجْمَاعَ فَقَدْ خَالَفَ سَبِيلَ الْمُؤْمِنِينَ.

(تفسیر السمرقندی: ج 2 ص 387، 388)

ترجمہ: یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے، کیونکہ جس نے اجماع کی مخالفت کی تو اس نے ”سبیل المؤمنین“ کی مخالفت کی۔

اشکال:

اجماع کی دلیل قرآن مجید کی مذکورہ آیت ہے اور قرآن کی اس آیت کے ثبوت کی دلیل خود اجماع ہے۔ اس کا مطلب کہ قرآن موقوف ہے اجماع پر اور اجماع موقوف ہے قرآن پر! یہ تو دور ہے جو کہ باطل ہے۔

جواب:

یہ اشکال دور کی تعریف نہ سمجھنے کی وجہ سے پیش آیا ہے۔ شیخ علامہ قطب الدین ابو عبد اللہ محمد بن محمد التختانی الرازی (ت 766ھ) دور کی تعریف یہ بیان کرتے ہیں:

تَوَقَّفُ الشَّيْءِ عَلَى مَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ ذَلِكَ الشَّيْءُ مِنْ جِهَةٍ وَاحِدَةٍ.

(القطبي في المنطق: 62 بحث العلم)

ترجمہ: ایک چیز کا کسی ایسی چیز پر موقوف ہونا جو خود اس (پہلی) چیز پر موقوف ہو ایک جہت سے۔

جب جہت بدل جائے تو دور نہیں ہوتا۔ جیسے باپ؛ بیٹے پر موقوف ہے ”باپ کہلانے میں“ اور بیٹا؛ باپ پر موقوف ہے ”اپنے وجود میں“ تو یہ دور نہیں ہے کیونکہ جہت بدل گئی ہے۔ بالکل اسی طرح اجماع؛ قرآن پر موقوف ہے حجت ہونے میں اور قرآن؛ اجماع پر موقوف ہے ثبوت میں۔ یہاں بھی جہت بدل گئی ہے اس لیے دور لازم نہیں آتا۔

[2]: امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي - أَوْ قَالَ - أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ضَلَالَةٍ وَيُدُّ اللَّهُ مَعَ الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَدَّ شُدًّا إِلَى النَّارِ.

(سنن الترمذی: كِتَابُ الْفِتَنِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي لُزُومِ الْجَمَاعَةِ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ میری امت کو - یا یہ فرمایا کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو - گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ اللہ کی مدد جماعت کے ساتھ ہوتی ہے اور جو (جماعت سے) الگ ہو تو وہ آگ کی طرف دھکیلا جائے گا (یعنی اس کا انجام آگ ہوگی)

ملا علی بن سلطان محمد القاری اللہوی الحنفی (ت 1014ھ) اس حدیث کو اجماع امت کے برحق و حجت ہونے کی دلیل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فِي الْحَدِيثِ دَلِيلٌ عَلَى حَقِّيَّةِ إِجْمَاعِ الْأُمَّةِ.

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج 2 ص 160 باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

ترجمہ: اس حدیث میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ امت کا اجماع برحق (و حجت) ہے۔

## اجماع کی اہمیت:

- 1: امام ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص رحمہ اللہ (ت 370ھ) فرماتے ہیں:
- ♦ **وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَرَى خَبَرَ الْوَاحِدِ مُقَدَّمًا عَلَى الْإِجْمَاعِ بَلْ الْإِجْمَاعُ أَوْلَى مِنْ خَبَرِ الْوَاحِدِ عِنْدَ الْجَمِيعِ .**
- ♦ **أَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ يُرَدُّ بِالْإِجْمَاعِ وَلَا يُرَدُّ الْإِجْمَاعُ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ .**

(الفصول فی الاصول: باب تخصیص العموم بالجبر)

ترجمہ: اہل علم میں سے کسی کا یہ نظریہ نہیں کہ خبر واحد کو اجماع پر ترجیح ہوگی بلکہ سب کے ہاں اجماع خبر واحد پر راجح ہے۔  
خبر واحد اور اجماع میں تعارض کی صورت میں خبر واحد کو چھوڑا جائے گا اجماع کو نہیں۔

- 2: حجة الاسلام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد غزالی رحمہ اللہ ت 505ھ لکھتے ہیں:
- فَيَنْظُرُ أَوَّلَ شَيْءٍ فِي الْإِجْمَاعِ فَإِنْ وَجَدَ فِي الْمَسْأَلَةِ إِجْمَاعًا تَرَكَ النَّظَرَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَإِنَّهُمَا يَقْبَلَانِ النَّسْخَ وَالْإِجْمَاعُ لَا يَقْبَلُهُ فَالْإِجْمَاعُ عَلَى خِلَافِ مَا فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ دَلِيلٌ قَاطِعٌ عَلَى النَّسْخِ إِذْ لَا تَجْتَمِعُ الْأُمَّةُ عَلَى الْخَطَا.**

(المستصفی للغزالی ج 1 ص 374)

ترجمہ: مجتہد کو چاہئے کہ مسئلہ حل کرتے وقت سب سے پہلے اجماع امت کو دیکھے اگر اس مسئلہ پر اجماع موجود ہو تو قرآن و سنت دیکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ قرآن و سنت نسخ کو قبول کرتے ہیں جبکہ اجماع نسخ کو قبول نہیں کرتا۔ نصوص کے خلاف اجماع آجانا اس بات کی دلیل ہے کہ نص منسوخ ہے اس لئے کہ امت غلطی پر اکٹھی نہیں ہو سکتی۔

- 3: حافظ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام رحمہ اللہ ت 728ھ لکھتے ہیں:
- وَإِجْمَاعُهُمْ حُجَّةٌ قَاطِعَةٌ يَجِبُ اتِّبَاعُهَا بَلْ هِيَ أَوْ كَذُ الْحُجَجِ وَهِيَ مُقَدَّمَةٌ عَلَى غَيْرِهَا، وَلَيْسَ هَذَا مَوْضِعَ تَقْرِيرِ ذَلِكَ، فَإِنَّ هَذَا الْأَصْلَ مُقَرَّرٌ فِي مَوْضِعِهِ، وَلَيْسَ فِيهِ بَيْنَ الْفُقَهَاءِ بَلْ وَلَا بَيْنَ سَائِرِ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ هُمْ الْمُؤْمِنُونَ خِلَافًا.** (الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیہ: ج 6 ص 162)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجماع کا دلیل قطعی ہے جسے ماننا ضروری ہے بلکہ یہ سب سے مضبوط دلیل ہے جو دیگر دلائل پر مقدم ہے، یہاں اس مسئلہ کی تفصیل کا موقع نہیں، باقی یہ اصول مسلم ہے کہ یہ سب سے مضبوط دلیل ہے جس میں فقہاء کرام رحمہم اللہ بلکہ امت مسلمہ کا

اتفاق ہے۔

## اشکال:

اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اجماع؛ قرآن و سنت سے بھی افضل ہے۔

## جواب:

افضل ہونا اور بات ہے، موقوف علیہ اور مقدم ہونا اور بات ہے۔ جیسے وضو؛ نماز کے لیے موقوف علیہ اور نماز پر مقدم ہے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی لیکن افضل نماز ہی ہے۔ اسی طرح اجماع؛ قرآن و سنت کے لیے موقوف علیہ اور قرآن و سنت

پر مقدم ہے کہ اجماع کے بغیر قرآن و سنت کا ثبوت نہیں ہوتا لیکن افضل قرآن و سنت ہی ہیں۔

4: سلطان المحدثین ملا علی قاری رحمہ اللہ (ت 1014ھ) فرماتے ہیں:  
"وَقَدْ قَالَ عَطَاءٌ: الْإِجْمَاعُ أَقْوَى مِنَ الْإِسْنَادِ"

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح: ج 1 ص 117)

ترجمہ: امام عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اجماع اسناد سے قوی ہے۔

### اجماع کی قسمیں:

اجماع کی بنیادی دو قسمیں ہیں:

1: اجماع کلی 2: اجماع اکثری

### اجماع کلی:

الْإِجْمَاعُ الَّذِي يَتَّفِقُ عَلَيْهِ جَمِيعُ الْمُجْتَهِدِينَ مِنْ مُجْتَهِدِي أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ.

(تفہیمات متکلم اسلام)

ترجمہ: اجماع کلی وہ اجماع ہے جس پر اہل السنۃ والجماعۃ کے تمام مجتہدین کا اتفاق ہو۔

جیسے علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر (ت 319ھ) لکھتے ہیں:  
وَأَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ الْأُمَّةَ تَحْجُبُ الْجَدَاتِ.

(کتاب الایمان لابن المنذر: ص 66 رقم المسئلۃ 309)

ترجمہ: اس بات پر تمام علماء فقہاء کا اجماع ہے کہ ماں کی موجودگی میں دادی، نانی وارث نہیں بن سکتیں۔

### اجماع اکثری:

الْإِجْمَاعُ الَّذِي يَتَّفِقُ عَلَيْهِ أَكْثَرُ مُجْتَهِدِي أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ.

(تفہیمات متکلم اسلام)

ترجمہ: اجماع اکثری وہ اجماع ہے جس پر اہل السنۃ والجماعۃ کے اکثر مجتہدین کا اتفاق ہو۔ جس پر اکثر فقہاء متفق ہوں۔

جیسے علامہ ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی (ت 855ھ) صاحب ہدایہ امام ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی (ت 593ھ)

کے ایک قول کی شرح میں فرماتے ہیں:

قَالَ صَاحِبُ الْهَدَايَةِ مِنْ أَصْحَابِنَا: "وَعَلَى تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ" فَسَمَاءُ إِجْمَاعًا بِاعْتِبَارِ اتِّفَاقِ الْأَكْثَرِ وَمِثْلُ هَذَا يُسَمَّى إِجْمَاعًا عِنْدَنَا.

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری للعینی: ج 4 ص 449 باب وجوب القراءة)

ترجمہ: ہمارے احناف میں سے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ”امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع

ہے“ صاحب ہدایہ نے اکثر کے اتفاق کو ”اجماع“ فرمادیا ہے۔ اس طرح کا اکثری اتفاق ہمارے ہاں اجماع شمار ہوتا ہے۔

## اجماع کے مراتب:

ضعف و قوت اور یقین و ظن کے اعتبار سے اجماع کے چار مراتب ہیں۔ ہر مرتبہ کے مطابق اس کی حیثیت اور منکر کا حکم متعین کیا جاتا ہے۔

## [1]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قولی اجماع

اتِّفَاقُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ كُلِّهِمْ أَجْمَعِينَ عَلَى أَمْرٍ مِنَ الْأُمُورِ بِقَوْلِهِمْ: "أَجْمَعْنَا عَلَى هَذَا"

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا کسی دینی مسئلہ یا واقعہ پر یہ کہہ کر اتفاق کرنا کہ ”ہم اس پر متفق ہیں“۔

## حُكْمُهُ:

هَذَا الْإِجْمَاعُ مِثْلُ الْآيَةِ الْقُرْآنِيَّةِ وَالْخَبْرِ الْمُتَوَاتِرِ وَيُكْفَرُ جَاحِدُهُ.

یہ اجماع بمنزلہ قرآن مجید کی آیت اور خبر متواتر کے ہے۔ اس کا منکر کافر ہے۔

## مِثَالُهُ:

إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ عَلَى خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع۔

(تفہیمات متکلم اسلام)

شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق الحنفی المعروف ”ملاجیون“ (ت 1130ھ) لکھتے ہیں:

فَالْأَقْوَى إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ نَصًّا مِثْلَ أَنْ يَقُولُوا جَمِيعًا: "أَجْمَعْنَا عَلَى كَذَا" فَإِنَّهُ مِثْلُ الْآيَةِ وَالْخَبْرِ الْمُتَوَاتِرِ حَتَّى يُكْفَرَ جَاحِدُهُ وَمِنْهُ الْإِجْمَاعُ عَلَى خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

(نور الانوار: ص 234)

ترجمہ: سب سے قوی اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا صراحتاً کسی بات پر اجماع کرنا ہے مثلاً صحابہ سب یوں کہیں: ”ہم نے اس

بات پر اجماع و اتفاق کر لیا ہے“ یہ اجماع قرآن کریم کی آیت اور خبر متواتر کی طرح ہے حتیٰ کہ اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے

گا۔ اس اجماع کی مثال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہے۔

## [2]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سکوتی اجماع

اتِّفَاقُ بَعْضِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَوْلًا عَلَى مَسْأَلَةٍ وَيَسْكُتُ الْبَاقُونَ مِنْهُمْ مُسْلِمِينَ.

کسی مسئلہ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صراحتاً اتفاق ظاہر کریں اور بعض سکوت کرتے ہوئے اسے تسلیم کریں۔

## حُكْمُهُ:

هَذَا الْإِجْمَاعُ يُعَدُّ مِنَ الْأَدِلَّةِ الْقَطْعِيَّةِ لِكِنْ لَا يُكْفَرُ جَاحِدُهُ.

اس اجماع کا شمار قطعی دلائل میں ہوتا ہے لیکن اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

## مِثَالُهُ:

إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ عَلَى قِتَالِ مَانِعِي الزَّكَاةِ.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد پر اجماع۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق الخنفي المعروف ”ملاجیون“ (ت 1130ھ) لکھتے ہیں:  
 (ثُمَّ الَّذِي نَصَّ الْبَعْضُ وَسَكَتَ الْبَاقُونَ) مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَهُوَ الْمُسَمَّى  
 بِالْإِجْمَاعِ السُّكُوتِيِّ وَلَا يُكْفَرُ جَاحِدُهُ وَإِنْ كَانَ مِنَ الْأَدِلَّةِ الْقَطْعِيَّةِ.

(نور الانوار: ص 234)

ترجمہ: پھر (دوسرے مرتبے کا) وہ اجماع ہے جس پر بعض صحابہ صراحتاً اتفاق کریں اور بعض خاموش رہیں۔ اسی اجماع کا نام  
 ”اجماع سکوتی“ ہے۔ اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا اگرچہ اس اجماع کا شمار قطعی دلائل میں ہوتا ہے۔

چنانچہ مولانا عبد الحلیم انصاری لکھنوی الخنفي (ت 1285ھ) اس عبارت کے حاشیہ میں اجماع سکوتی کی مثال دیتے ہوئے

لکھتے ہیں:

الْإِجْمَاعُ السُّكُوتِيُّ كَالْإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ عَلَى قِتَالِ مَنَاعِ الزَّكَاةِ فَإِنَّ أَكْثَرَ  
 الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالُوا بِهِ وَبَعْضُهُمْ كَانُوا سَاكِنِينَ مُسْلِمِينَ.

(قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار: ص 234)

ترجمہ: اجماع سکوتی کی مثال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نالین زکاۃ سے جہاد کرنے پر اجماع ہے کیونکہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم  
 نے ان سے جہاد کرنے کی صراحت کی اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خاموش رہ کر اسے تسلیم کیا۔

فائدہ:

اگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کوئی خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ اجتہاد کرے، یا خلیفہ راشد کا کوئی عمل صحابہ  
 کرام کے علم میں ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی اس پر نکیر نہ کرے تو اس کی حیثیت بھی اجماع کی سی ہو جاتی ہے۔

حافظ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن احمد بن محمد ابن قدامة المقدسی الحنبلي رحمہ اللہ (ت 620ھ) لکھتے ہیں:  
 وَلَنَا أَنَّ عُمَرَ وَعُثْمَانَ حَمِيًّا، وَاشْتَهَرَ ذَلِكَ فِي الصَّحَابَةِ، فَلَمْ يُنْكَرْ عَلَيْهِمَا، فَكَانَ إِجْمَاعًا  
 (المغنی لابن قدامة، فصل فی الحمی)

ترجمہ: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے چراگا ہوں کو (حکومت کی تحویل میں) لیا۔ یہ بات  
 صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان مشہور تھی کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی گویا کہ اس پر اجماع ہو گیا۔

[3]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کا اجماع (جس میں صحابہ کا اختلاف منقول نہ ہو)

إِتِّفَاقُ الْمُجْتَهِدِينَ بَعْدَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ فِي عَصْرِ مِنَ الْعُصُورِ عَلَى أَمْرٍ مِنَ  
 الْأُمُورِ لَمْ يَسْبِقْ فِيهِ خِلَافُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد کسی دور کے مجتہدین کا کسی ایسے مسئلہ پر اتفاق کرنا جس میں صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم کا اختلاف منقول نہ ہو۔

حُكْمُهُ:

هَذَا الْإِجْمَاعُ بِمَنْزِلَةِ الْخَبَرِ الْمَشْهُورِ فَيُؤَيِّدُ طَمَآنِيئَةَ الْقَلْبِ لَكِنْ تَحْصُلُ بِهِ الطَّمَآنِيئَةُ الَّتِي  
 هِيَ دُونَ الْيَقِينِ فَلَا يُكْفَرُ جَاحِدُهُ بَلْ يُضَلُّ وَيُخْطَأُ.

یہ اجماع خبر مشہور کی طرح ہے جو طمانینت قلب کا توفائدہ دیتا ہے لیکن اس سے حاصل ہونے والی طمانینت یقین کا فائدہ نہیں دیتی۔ اس لیے اس مرتبہ کے منکر کو کافر تو نہیں کہا جائے گا البتہ گمراہ اور خطاکار قرار دیا جائے گا۔

**مثال:**

إِجْمَاعُ الْأَيْمَةِ عَلَى أَنَّ الضَّحَاكَ خَارِجَ الصَّلَاةِ لَا يَنْقُضُ طَهَارَةً.

اس مسئلہ پر ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع کہ نماز سے باہر ہنسنا طہارت کو زائل نہیں کرتا۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق الخفی المعروف ”ملاجیون“ (ت 1130ھ) لکھتے ہیں:

(ثُمَّ إِجْمَاعُ مَنْ بَعْدَهُمْ) أَي بَعْدَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ مِنْ أَهْلِ كُلِّ عَصْرِ (عَلَى حُكْمٍ لَمْ يَظْهَرْ فِيهِ خِلَافٌ مَنْ سَبَقَهُمْ) مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْخَبَرِ الْمَشْهُورِ يُفِيدُ الطَّمَانِينَ دُونَ الْيَقِينِ.

(نور الانوار: ص 234)

ترجمہ: (اجماع کا تیسرا مرتبہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ہر دور کے مجتہدین کا کسی ایسے مسئلہ پر اجماع کرنا ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف منقول نہ ہو۔ اس قسم کا اجماع خبر مشہور کی طرح ہے جو طمانینت کا توفائدہ دیتا ہے لیکن علم یقین کا فائدہ نہیں دیتا۔

اس اجماع کے منکر کے گمراہ اور خطاکار ہونے کی تصریح کرتے ہوئے علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید

سکندری الخفی المعروف ابن الہمام (ت 861ھ) لکھتے ہیں:

(وَأَمَّا) مُنْكَرُ إِجْمَاعِ (مَنْ بَعْدَهُمْ) أَي الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ (بِلَا سَبْقِ خِلَافٍ) فَيُضَلُّ وَيُخْطَأُ مِنْ غَيْرِ إِكْفَارٍ (كَالْخَبَرِ الْمَشْهُورِ) أَي كَمُنْكَرِهِ.

(تحریر الاصول لابن الہمام: ج 3 ص 147 باب فی الاجماع)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کسی غیر اختلافی مسئلہ پر منعقد ہونے والے اجماع کے منکر کو گمراہ اور خطاکار قرار دیا جائے گا لیکن کافر قرار نہیں دیا جائے گا جس طرح کہ خبر مشہور کے منکر کا حکم ہوتا ہے۔

**مثال:** نماز کے باہر اگر کوئی شخص ہنس لے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر (ت 319ھ) لکھتے ہیں:

وَأَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ الضَّحَاكَ فِي غَيْرِ الصَّلَاةِ لَا يَنْقُضُ طَهَارَةً، وَلَا يُؤَجِبُ وُضُوءًا.

(کتاب الاجماع لابن المنذر: ص 22 رقم المسئلة 5)

ترجمہ: ائمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ نماز سے باہر ہنسنا طہارت کو زائل نہیں کرتا اور نہ ہی اس سے وضو واجب ہوتا ہے۔

اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف منقول نہیں ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص نماز سے باہر ہنسنے کی وجہ سے

وضو ٹوٹنے کا قائل ہو تو اس کا یہ موقف اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہو گا۔ ایسے شخص کو خطاکار اور گمراہ کہنا

درست ہو گا۔

[4]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کا اجماع (جس میں سابق مجتہدین کا اختلاف منقول ہو)

اتَّفَاقُ الْمُجْتَهِدِينَ بَعْدَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ فِي عَصْرِ مِنَ الْعُصُورِ عَلَى أَمْرٍ مِنَ الْأُمُورِ سَبَقَ فِيهِ خِلَافُ الْمُجْتَهِدِينَ سِوَاءَ كَانُوا هُمْ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مَنْ بَعْدَهُمْ.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد کسی دور کے مجتہدین کا کسی ایسے مسئلہ پر اتفاق کرنا جس میں سابق دور کے مجتہدین کا اختلاف منقول ہو خواہ وہ مجتہدین؛ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں یا ان کے دور کے بعد کے مجتہدین ہوں۔

**حُكْمُهُ:**

هَذَا الْإِجْمَاعُ بِمَنْزِلَةِ الْخَبَرِ الْوَاحِدِ يُوجِبُ الْعَمَلَ دُونَ الْعِلْمِ الْيَقِينِيِّ فَلَا يُكْفِرُ جَاحِدُهُ وَلَا يُضَلُّ.

**حکم:** یہ اجماع؛ خبر واحد کی طرح ہے جس کی بنیاد پر عمل کرنا تو واجب ہے لیکن اس سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا اس لیے اس کے منکر کو کافر کہا جائے گا، نہ گمراہ و خطاکار قرار دیا جائے گا۔

**مِثَالُهُ:**

إِجْمَاعُ الْأَيْمَةِ عَلَى عَدَمِ جَوَازِ بَيْعِ أُمِّ الْوَلَدِ.

**مثال:** ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کا ام ولد کی خرید و فروخت کے جائز نہ ہونے پر اجماع کرنا۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق الحنفی المعروف ”ملاجیون“ (ت 1130ھ) لکھتے ہیں:

(ثُمَّ إِجْمَاعُهُمْ عَلَى قَوْلٍ سَبَقَهُمْ فِيهِ مُخَالَفٌ) يَعْنِي اخْتَلَفُوا أَوَّلًا عَلَى قَوْلَيْنِ ثُمَّ أَجْمَعَ مَنْ بَعْدَهُمْ عَلَى قَوْلٍ وَاحِدٍ فَهَذَا دُونَ الْكُلِّ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْخَبَرِ الْوَاحِدِ يُوجِبُ الْعَمَلَ دُونَ الْعِلْمِ.

(نور الانوار: ص 234)

ترجمہ: (اجماع کا چوتھا مرتبہ) مجتہدین کا کسی ایسے قول پر اجماع کر لینا ہے جس میں پہلے کسی کا اختلاف منقول ہو یعنی پہلے دور کے مجتہدین کے کسی مسئلہ پر دو اقوال پائے جاتے تھے، پھر بعد کے مجتہدین نے ان دو میں سے کسی ایک قول پر اجماع کر لیا۔ اجماع کا یہ مرتبہ تمام مراتب میں سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے۔ اس قسم کا اجماع خبر واحد کی طرح ہے جس کی بنیاد پر عمل کرنا تو واجب ہوتا ہے لیکن یہ مرتبہ (ایسے) علم یقین کا فائدہ نہیں دیتا (جس کی بنیاد پر ہم اس کے منکر کو کافر یا گمراہ کہہ سکیں۔)

**مثال:** ام ولد کی بیع کے عدم جواز پر اجماع

ام ولد کی بیع بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں جائز ہے اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں جائز نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد مجتہدین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ام ولد کی بیع جائز نہیں۔

چنانچہ شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق الحنفی المعروف ”ملاجیون“ (ت 1130ھ) لکھتے ہیں:

نَظِيرُهُ مَسْأَلَةٌ بَيْعِ أُمِّ الْوَلَدِ ، فَإِنَّهُ عِنْدَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يَجُوزُ ، وَعِنْدَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَجُوزُ ثُمَّ بَعْدَ ذَلِكَ أَجْمَعُوا عَلَى عَدَمِ جَوَازِ بَيْعِهَا.

(نور الانوار: ص 232)

ترجمہ: اس کی نظیر ام ولد کی بیع (کے جواز و عدم جواز) کا مسئلہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں ام ولد کی بیع جائز نہیں جبکہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں ام ولد کی بیع جائز ہے۔ پھر صحابہ کرام کے اس اختلاف کے بعد بعد کے مجتہدین نے ام ولد کی بیع کے عدم جواز پر اجماع کر لیا۔

**فائدہ:** ”ام ولد“ اس باندی کو کہتے ہیں جس سے اس کا مالک ہم بستر ہو اور اس سے اولاد پیدا ہو گئی ہو۔

**فائدہ نمبر 1:**

اجماع کی ایک تقسیم اجماع کرنے والے حضرات کے اعتبار سے ہے اور اس اعتبار سے اجماع کی دو قسمیں ہیں:

۱: اجماع کلی، ۲: اجماع اکثری

اور اجماع کی دوسری تقسیم؛ اجماع کے مراتب کے پیش نظر اجماع کے حکم کے اعتبار سے ہے اور اس اعتبار سے اجماع

کی چار قسمیں ہیں:

[1]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قولی اجماع

[2]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سکوتی اجماع

[3]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کا اجماع (جس میں صحابہ کا اختلاف منقول نہ ہو)

[4]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کا اجماع (جس میں سابق مجتہدین کا اختلاف منقول ہو)

**فائدہ نمبر 2:**

اجماع کے منکر کی مذکورہ تقسیم سے معلوم ہوا کہ ہر اجماع کا منکر کافر نہیں۔

**فائدہ نمبر 3:**

جس فن کی بات ہوگی اسی فن والوں کا اجماع معتبر ہوگا۔ اگر علم الکلام کی بات ہو تو متکلمین کا اعتبار ہوگا، علم تفسیر کی

بات ہو تو مفسرین کا اعتبار ہوگا، علم حدیث کی بات ہو تو محدثین کا اعتبار ہوگا اور علم تصوف کی بات ہو تو مشائخ طریقت کا اعتبار ہو

گا۔

امام نظام الدین ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم الخراسانی الشاشی الحنفی (ت 335ھ) فرماتے ہیں:

وَالْمُعْتَبَرُ فِي هَذَا الْبَابِ إِجْمَاعُ أَهْلِ الرَّأْيِ وَالْإِجْتِهَادِ فَلَا يُعْتَبَرُ بِقَوْلِ الْعَوَامِ وَالْمُتَكَلِّمِ  
وَالْمُحَدِّثِ الَّذِي لَا بَصِيرَةَ لَهُ فِي أَصُولِ الْفِقْهِ.

(اصول الشاشی: ص 196)

ترجمہ: فقہی مسائل میں مجتہدین اہل رائے حضرات کا اجماع معتبر ہے۔ عوام، متکلمین اور وہ حضرات جو محض محدث ہیں، فقیہ

نہیں ہیں تو فقہی مسائل میں ان کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اول منکر اجماع:

اس دنیا میں سب سے پہلے اجماع کا انکار ابلیس نے کیا ہے۔  
﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا ابْلِيسَ﴾

(سورۃ ص: 74، 75)

ترجمہ: تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، مگر ابلیس نے سجدہ سے انکار کر دیا۔

منکر اجماع کی سزا:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَ  
نُصَلِّهِ جَهَنَّمَ ۗ وَ سَاءَتْ مَصِيرًا (۱۱۵)﴾

(سورۃ النساء: 115)

ترجمہ: جو شخص ہدایت واضح ہونے کے باوجود رسول کی مخالفت کرے اور ایمان والوں سے ہٹ کر الگ راستہ پر چلے تو ہم اسے اس کے اختیار کردہ راستہ پر چلا دیتے ہیں اور اسے جہنم میں داخل کریں گے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں منکر اجماع کی دو سزائیں بیان کی گئی ہیں 1: دنیا میں ہدایت نہیں ملتی۔ 2: آخرت میں اس کو جنت

نہیں ملتی۔

شبه:

اس آیت سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ منکر اجماع کو ہدایت نہیں ملتی جبکہ مشاہدہ یہ ہے کہ بعض منکرین اجماع ہدایت پر آ جاتے ہیں۔ اس لیے یہ مشاہدہ تو آیت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

جواب:

منکر اجماع کی دو قسمیں ہیں:

1: ایسا منکر اجماع جو دلیل نہ ملنے کی وجہ سے انکار کرتا ہے۔ ایسے منکر کو اگر دلیل مل جائے تو وہ مان لیتا ہے اور ہدایت پر آ جاتا ہے۔ آیت میں یہ شخص مراد نہیں اس لیے اس کا ہدایت پر آ جانا اس آیت کے خلاف نہیں۔

2: ایسا منکر اجماع جو دلیل نہ ملنے کی وجہ سے نہیں بلکہ محض ضد اور عناد کی وجہ سے انکار کرتا ہے۔ ایسے شخص کو اگر دلیل مل بھی جائے تب بھی وہ انکار کرتا ہے اور ہدایت پر نہیں آتا۔ آیت میں منکر اجماع سے مراد یہی شخص ہے۔

فاسد العقیدہ کے انکار سے اجماع متاثر نہیں ہوتا:

اگر کسی عقیدہ پر اہل حق متفق ہو جائیں تو بعض فاسد العقیدہ لوگوں کے انکار سے نہ تو اس عقیدہ کی حقانیت پہ کوئی اثر

پڑتا ہے اور نہ ہی اجماع کی حجیت پر۔

چنانچہ علامہ مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) فرماتے ہیں۔

وَالْإِجْمَاعُ الْمُنْعَقِدُ عَلَى ذَلِكَ عَلَى مَا مَرَّ وَالْخَوَارِجُ خَوَارِجُ عَمَّا انْعَقَدَ عَلَيْهِ الْإِجْمَاعُ فَلَا  
اعْتِدَادَ بِهِمْ.

(شرح العقائد النسفية: ص 282)

ترجمہ: مرتکب کبیرہ کے کافر نہ ہونے کی ایک دلیل اجماع امت بھی ہے، خوارج اس اجماع سے الگ ہیں مگر ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

مثال: اس بات پر اجماع ہے کہ مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں۔

إِجْمَاعُ الْأُمَّةِ مِنْ عَصْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى يَوْمِنَا هَذَا بِالصَّلْوَةِ عَلَى مَنْ مَاتَ  
مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ مِنْ غَيْرِ تَوْبَةٍ وَالِدُّعَاءِ وَالْإِسْتِغْفَارِ لَهُمْ مَعَ الْعِلْمِ بِأَرْكَابِهِمُ الْكَبَائِرَ بَعْدَ الْإِتِّفَاقِ  
عَلَى أَنَّ ذَلِكَ لَا يَجُوزُ لِغَيْرِ الْمُؤْمِنِ.

(شرح العقائد النسفية ص 281)

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک سے لے کر آج تک امت اس بات پر متفق چلی آرہی ہے کہ جو اہل قبلہ (مسلمان) بغیر توبہ کے فوت ہو جائے اور لوگوں کو معلوم بھی ہو کہ وہ مرتکب کبیرہ تھابت بھی اس کا جنازہ ادا کرنا اور اس کے حق میں دعا اور استغفار کرنا جائز ہے۔ اور اس بات پر بھی امت کا اتفاق ہے کہ غیر مسلم کا نماز جنازہ ادا کرنا اور اس کی بخشش کی دعا کرنا درست نہیں۔

## ترجیح النقل علی العقل

اگر شریعت کا کوئی عقیدہ و نظریہ دلائل نقلیہ قطعہ سے ثابت ہو اور اس کا مضمون بظاہر عقل کے خلاف ہو تو اس میں نقل کو عقل پر ترجیح دی جائے گی، محض بظاہر عقل کے خلاف ہونے کی وجہ سے نصوص میں بے جاتاویل کرنا اور اس عقیدہ کا انکار کرنا جائز نہیں۔

بدر الدین محمد بن بہادر بن عبد اللہ الزرکشی رحمہ اللہ (ت 794ھ) لکھتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ الْمِلَّةِ أَنَّ النَّبِيَّ الصَّادِقَ إِذَا أَخْبَرَ خَبْرًا لَا يُدْرِكُهُ الْعَقْلُ وَجَبَ الْإِيمَانُ بِهِ وَتَلَقِّيهِ  
بِالْقَبُولِ وَتِلْكَ خَصِيصَةٌ الْإِيمَانِ بِالْغَيْبِ الَّتِي مَدَّخَ اللَّهُ بِهَا الْمُؤْمِنِينَ.

(المحرر المحیط فی اصول الفقہ: ج 1 ص 114)

ترجمہ: اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسی چیز کے بارے بتائیں جو ماورائے عقل ہو (سمجھ نہ آئے) تو اس بات پر ایمان لانا، اسے قبول کرنا واجب ہے اور یہی ایمان بالغیب ہے جس کی وجہ سے اللہ پاک نے مؤمنین کو تعریف فرمائی ہے۔

**فائدہ نمبر 1:** کوئی عقیدہ عقل کے خلاف ہرگز نہیں ہوتا البتہ بسا اوقات عقل سے ماوراء ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ کسی عقیدہ کے عقل سے ماوراء ہونے کو عقل کے خلاف سمجھ لیتے ہیں اور اس عقیدہ کا انکار کر دیتے ہیں جس طرح معتزلہ بعض عقائد کو اپنی عقل کے خلاف سمجھ کر ان عقائد کا انکار کر دیتے ہیں۔

چنانچہ بدر الدین محمد بن بہادر بن عبد اللہ الزرکشی رحمہ اللہ (ت 794ھ) لکھتے ہیں:  
وَالْمُعْتَزَلَةُ لَمَّا قَالُوا عُقُولُهُمْ أَنْكَرُوا عَذَابَ الْقَبْرِ وَسُؤَالَ مُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ وَوَزْنَ الْأَعْمَالِ  
وَوَقَعُوا فِي عِقَالِ الضَّلَالِ حَيْثُ عَدَلُوا عَنْ قَوْلِ الْمَعْصُومِ.

(البحر المحیط فی اصول الفقہ: ج 1 ص 114)

ترجمہ: معتزلہ نے جب اپنی عقلوں کو بنیاد بنا کر عذاب قبر، منکر نکیر کے سوال اور وزن اعمال کا انکار کیا۔ تو وہ معصوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنے کی وجہ سے گمراہی کے گڑھے میں جا گرے۔

**فائدہ نمبر 2:** بسا اوقات ذوق سلیم کی بنیاد پر ایک بات کر دی جاتی ہے جس پر بظاہر دلیل نہیں ہوتی لیکن اس کے تحت ایک دلیل خفی موجود ہوتی ہے۔

**مثال:** جمع قرآن کریم کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نقل کا مطالبہ کر رہے تھے تو ان کے سامنے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عقل کو پیش کیا۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) نقل کرتے ہیں:

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أُرْسِلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ مَقْتَلًا أَهْلَ الْيَمَامَةِ فَإِذَا عَمْرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهُ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: إِنَّ عَمَرَ أَتَانِي فَقَالَ: إِنَّ الْقَتْلَ قَدْ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَاءِ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلَ بِالْقُرْآنِ بِأَلْمَوَاتِنِ فَيَذْهَبَ كَثِيرٌ مِنَ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ. قُلْتُ لِعَمَرَ: كَيْفَ نَفَعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! قَالَ عَمْرُ: هَذَا وَاللَّهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عَمْرٌ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِذَلِكَ وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَى عَمْرُ. قَالَ زَيْدٌ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَهَمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُمُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَّبِعُ الْقُرْآنَ فَاجْمَعُهُ فَوَاللَّهِ لَوْ كَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ، قُلْتُ: كَيْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: هُوَ وَاللَّهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ أَبُو بَكْرٍ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعَمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَتَتَّبَعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الْعُسْبِ وَاللَّخَافِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ.

(صحیح البخاری: ج 2 ص 745 کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن)

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنگ یمامہ کے بعد مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلا یا جب میں ان کے پاس پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا:

**حضرت صدیق اکبر:** حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ یمامہ کی جنگ میں بہت سارے حفاظ شہید ہو گئے ہیں، مجھے ڈر ہے کہ اگر ایسے ہی جنگوں میں حفاظ شہید ہوتے رہے تو قرآن مجید کا بہت سا راحصہ ان کے سینوں ہی میں چلا جائے گا؛ اس لئے میری رائے یہ ہے آپ قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دے دیں۔ میں نے عمر سے کہا کہ جو کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ ہم کیسے کریں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم! اس میں خیر ہی خیر ہے۔ یہ مجھ سے بار بار اصرار کرتے رہے؛ بالآخر اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا اور اب میری رائے بھی یہی ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: تم نوجوان بھی

ہو، سمجھدار بھی ہو، عادل بھی ہو، ہم تم میں کسی طرح کی تہمت موجود نہیں پاتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی رہے ہو۔ لہذا تم قرآن کریم کی آیات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تلاش کرو اور ان کو جمع کرو۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مجھے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم فرماتے تو یہ میرے لیے قرآن کریم جمع کرنے سے زیادہ آسان تھا۔

حضرت زید: آپ حضرات ایسا کام کیوں کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا؟  
حضرت ابو بکر: قسم بخدا! یہ تو اچھا ہی کام ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس بارے میں مسلسل مجھ سے اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی طرح اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا۔ چنانچہ میں نے قرآن کریم کے اجزاء کو تلاش کرنا شروع کیا اور اسے کھجور کی شاخوں، باریک سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے اکٹھا کر کے ایک جگہ جمع کر دیا۔

## حَقِيقَةُ الْإِعْتِقَادِ

ہر مؤمن کو یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ میرا عقیدہ حق ہے اور میرے مخالف کا عقیدہ باطل ہے۔ اس لیے کہ ایمان کا معنی ”یقین“ ہے۔ اگر اپنے عقیدے کے حق ہونے کا یقین نہ ہو تو بندہ مؤمن ہی نہیں رہتا۔

امام زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ ت 970ھ فرماتے ہیں:

وَإِذَا سَأَلْنَا عَنْ مُعْتَقِدِنَا وَمُعْتَقِدِنَا وَحُصُومِنَا فِي الْعَقَائِدِ يَجِبُ عَلَيْنَا أَنْ نَقُولَ: الْحَقُّ مَا نَحْنُ عَلَيْهِ وَالْبَاطِلُ مَا عَلَيْهِ حُصُومُنَا.

(الاشاہ والنظار علی مذہب ابی حنیفۃ النعمان: ص 330 فائدۃ فی اعتقاد الانسان فی مذہبہ ومذہب غیرہ)

ترجمہ: جب ہم سے ہمارے اور ہمارے مخالف کے عقیدے کے متعلق پوچھا جائے تو ہماری ذمہ داری ہے ہم یہ جواب دیں کہ ہمارا عقیدہ ہی ٹھیک ہے اور ہمارے مخالف کا عقیدہ باطل ہے۔

دلیل نمبر 1:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی مشرک قوم کو فرمایا۔

﴿لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَ آبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (٥٤)﴾

(سورۃ الانبیاء: 54)

کہ تم اور تمہارے سارے بڑے کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔

دلیل نمبر 2:

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ (٤٩)﴾ (سورۃ النمل: 79)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ اللہ پر بھروسہ فرمائیں، بے شک آپ واضح حق پر ہیں۔

## دلیل نمبر 3:

اللہ تعالیٰ مشرکین کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۗ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (۱۱) ﴾

(سورۃ لقمان: 11)

ترجمہ: یہ چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ اللہ کے سوا کسی نے کچھ پیدا کیا ہے تو مجھے دکھاؤ تو سہی! (تم لوگ دکھا نہیں سکتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم حق بات نہیں کر رہے) بلکہ ظالم (ہو اور ظالم) کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

## دلیل نمبر 4:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ كَفَرُوا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَ أَصْلَحَ بِآلِهِمْ (۲) ذَلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ أَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ ﴾

(سورۃ محمد: 2، 3)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور اس کی تصدیق کی جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی جو کہ ان کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے تو اللہ نے ان کے گناہوں کو معاف کر دیا اور ان کے احوال درست کر دیے۔ یہ اس لیے کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ باطل کی پیروی کرتے ہیں اور جو ایمان لائے وہ اس حق کے پیچھے چلے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے آیا ہے۔

## دلیل نمبر 5:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

فَقَالَ عَمْرُ بْنُ الْخَطَّابِ: فَأَتَيْتُ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: أَلَسْتَ نَبِيَّ اللَّهِ حَقًّا؟ قَالَ: "بَلَى." قُلْتُ: أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَعَدُونَا عَلَى الْبَاطِلِ؟ قَالَ: "بَلَى."

(صحیح البخاری: باب الشُّرُوطِ فِي الْجِهَادِ وَالْمُصَالِحَةِ مَعَ أَهْلِ الْحَرْبِ وَكِتَابَةِ الشُّرُوطِ)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں (حدیبیہ کے موقع پر) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی: کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: کیوں نہیں! میں نے عرض کیا: کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: کیوں نہیں! (یعنی واقعی ہم اہل حق اور ہمارے مخالف اہل باطل ہیں)

شبیہ:

اپنے عقائد کو یقین کے ساتھ برحق کہنا اور خود کو اہل حق کہنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ارشاد

فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللَّهُ ۗ وَ إِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ

(۲۴)﴾

(سورۃ سبأ: 24)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ ان سے پوچھیں تمہیں آسمان وزمین سے رزق کون دیتا ہے؟ آپ فرمادیں: اللہ پاک ہی رزق دیتے ہیں۔ بیشک ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو فرما رہے ہیں ہم حق پہ ہیں یا تم حق پہ ہو! یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یقین کے ساتھ خود کو حق پہ نہیں فرما رہے بلکہ شک کے ساتھ فرما رہے ہیں۔ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس یقین سے خود کو اہل حق نہیں فرما رہے تو عام افراد کا خود کو یقین کے ساتھ اہل حق کہنا کہاں درست ہو سکتا ہے!

جواب نمبر 1:

اس آیت کریمہ مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اہل حق ہونے پہ شک تھا۔ معاذ اللہ۔ بلکہ آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اس میں اہل حق کے حق پر ہونے اور اہل باطل کے باطل پر ہونے کو بیان کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ مفسرین کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

[1]: امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعالبی النیسابوری رحمہ اللہ ت 427ھ فرماتے ہیں:

هَذَا عَلَىٰ جِهَةِ الْإِنصَافِ فِي الْحِجَاجِ كَمَا يَقُولُ الْقَائِلُ: أَحَدُنَا كَاذِبٌ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ صَادِقٌ وَأَنَّ صَاحِبَهُ كَاذِبٌ وَالْمَعْنَى: مَا نَحْنُ وَأَنْتُمْ عَلَىٰ أَمْرٍ وَاحِدٍ، إِنَّ أَحَدَ الْفَرِيقَيْنِ لَمُهْتَدٍ وَالْآخَرَ ضَالٌّ فَالنَّبِيُّ وَمَنْ مَعَهُ عَلَىٰ الْهُدَىٰ وَمَنْ خَالَفَهُ فِي ضَلَالٍ فَكَذَّبَهُمْ بِأَحْسَنَ مِنْ تَصْرِيحِ التَّكْذِيبِ .

(تفسیر الکشف والبیان: سورۃ سبأ آیت 24)

ترجمہ: آیت کریمہ میں یہ طریقہ دوسرے کو سمجھانے کے لئے اختیار فرمایا جیسے کسی شخص کا دوسرے سے اختلاف ہو تو ایک کہتا ہے کہ دیکھ ہم میں سے کوئی ایک تو جھوٹا ہے یہ بات کہنے والا جانتا ہے کہ میں سچا ہوں اور دوسرا جھوٹا ہے۔ آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اے مشرکین ہمارا تمہارا ایک بات پہ تو اتفاق ہے کہ ہم میں سے ایک ہدایت یافتہ ہے اور دوسرا گمراہ۔ لہذا حضور علیہ السلام اور اہل ایمان ہدایت یافتہ ہیں اور آپ علیہ السلام کے مخالفین گمراہی میں مبتلا ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو جھوٹا قرار دیا ہے اور یہ (طرز بیان) صراحتاً تکذیب کرنے سے بہتر ہے۔

[2]: امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعالبی النیسابوری رحمہ اللہ ت 427ھ مزید فرماتے ہیں:

وَقِيلَ: هَذَا عَلَىٰ جِهَةِ الْأَسْتَهْزَاءِ بِهِمْ وَهُوَ غَيْرُ شَاكٍ فِي دِينِهِ.

(تفسیر الکشف والبیان: سورۃ سبأ آیت 24)

ترجمہ: اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ حضور علیہ السلام کو اپنے ہدایت پہ ہونے میں کوئی شک نہیں تھا آپ نے یہ طریقہ اختیار فرما کے مشرکین پہ چوٹ لگائی (کہ اپنے ہاتھ سے پتھر تراش کر ان کو سجدے بھی کرتے ہو اور خود کو اہل حق بھی کہتے ہو؟)

[3]: حافظ ابو الفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر المعروف ابن کثیر رحمہ اللہ 774ھ فرماتے ہیں:

﴿وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾: هَذَا مِنْ بَابِ اللَّفِّ وَالنَّشْرِ..... وَقَالَ عِكْرِمَةُ وَزِيَادُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: مَعْنَاهُ "إِنَّا نَحْنُ لَعَلَىٰ هُدًى وَإِنَّكُمْ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ".  
(تفسیر ابن کثیر: سورۃ سبأ آیت 24)

ترجمہ: یہ آیت کریمہ لف نشر مرتب کے باب سے ہے۔ چنانچہ امام عکرمہ اور زیاد بن ابی مریم رحمہما اللہ فرماتے ہیں آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم ہدایت پہ ہیں اور تم کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔

**فائدہ:** لف کا معنی ہے لپیٹنا، نشر کا معنی ہے پھیلانا اور مرتب کا مطلب ہے پہلے چند چیزیں ذکر کرنا اور اس کے بعد ان کے مناسبات کو ترتیب سے ذکر کرنا۔ چنانچہ اس آیت میں پہلے دو فریقوں کا تذکرہ ہے۔ ”إِنَّا“ سے مراد اہل ایمان اور ”إِيَّاكُمْ“ سے مراد مشرکین اس کے بعد دو نتیجے ہیں: ”لَعَلَىٰ هُدًى“ اس کا تعلق (فریق اول) اہل ایمان سے ہے، ”فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ“ کا تعلق (فریق دوم) مشرکین سے ہے۔

[4]: امام علی بن محمد المعروف خازن رحمہ اللہ 725ھ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

(وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ) مَعْنَاهُ مَا نَحْنُ وَأَنْتُمْ عَلَىٰ أَمْرٍ وَاحِدٍ بَلْ أَحَدُ الْفَرِيقَيْنِ مُهْتَدٍ وَالْآخَرُ ضَالٌّ، وَهَذَا لَيْسَ عَلَىٰ طَرِيقِ الشُّكِّ بَلْ جِهَةٌ الْإِلْزَامِ وَالْإِنْصَافِ فِي الْحُجَّاجِ كَمَا يَقُولُ الْقَائِلُ: أَحَدُنَا كَاذِبٌ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ صَادِقٌ وَصَاحِبُهُ كَاذِبٌ فَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ تَبِعَهُ عَلَىٰ الْهُدَىٰ وَمَنْ خَالَفَهُ فِي ضَلَالٍ فَكَذَّبَهُمْ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُصْرَّحَ بِالتَّكْذِيبِ.  
(تفسیر الخازن: سورۃ سبأ آیت 24)

ترجمہ: آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم اور تم دونوں تو ٹھیک ہو نہیں سکتے بلکہ ہم میں سے ایک فریق ہدایت یافتہ ہے اور دوسرا فریق گمراہ ہے۔ اہل ایمان کا یہ کہنا شک کی وجہ سے نہیں [کہ انہیں اپنے اہل حق ہونے کا شک ہو] بلکہ یہ طریقہ دوسرے کو سمجھانے کے لئے اور ان پہ الزام قائم کرنے کے لئے اختیار فرمایا جیسے کسی شخص کا دوسرے سے اختلاف ہو تو ایک کہتا ہے کہ دیکھ ہم میں سے کوئی ایک تو جھوٹا ہے یہ بات کہنے والا جانتا ہے کہ میں سچا ہوں اور دوسرا جھوٹا ہے اب یہ بات متعین ہے کہ حضور علیہ السلام اور اہل ایمان ہدایت یافتہ ہیں اور آپ کے مخالفین گمراہی میں مبتلا ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو جھوٹا تو قرار دیا ہے لیکن صراحتاً یہ نہیں فرمایا کہ تم جھوٹے ہو۔

[5]: امام علی بن محمد المعروف خازن رحمہ اللہ 725ھ مزید فرماتے ہیں:

وَقِيلَ: ﴿أَوْ﴾ بِمَعْنَى "الْوَاوِ" وَمَعْنَى الْآيَةِ "إِنَّا لَعَلَىٰ هُدًى وَإِنَّكُمْ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ"

(تفسیر الخازن: سورۃ سبأ آیت 24)

ترجمہ: اس آیت کی ایک تقدیر مزید یہ ہے کہ اس میں ”او“ کا معنی ”واو“ ہو۔ اس صورت میں اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ ہم ہدایت پہ ہیں اور تم کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔

[6]: امام شمس الدین محمد بن احمد الشربینی القاہری الشافعی رحمہ اللہ 977ھ فرماتے ہیں:

وَهَذَا لَيْسَ عَلَى طَرِيقِ الشَّلَكِ لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَشْكُ أَنََّّهُ عَلَى هُدًى وَيَقِينٌ وَأَنَّ الْكُفَّارَ عَلَى ضَلَالٍ مُبِينٍ وَإِنَّمَا هَذَا الْكَلَامُ جَارٍ عَلَى مَا تَخَاطَبُ بِهِ الْعَرَبُ مِنَ اسْتِعْمَالِ الْإِنْصَافِ فِي مُحَاوَرَاتِهِمْ عَلَى سَبِيلِ الْفَرْضِ وَالنَّقْدِيرِ، وَيُسَمِّيهِ أَهْلُ الْبَيَانِ "الْإِسْتِدْرَاجَ".

(تفسیر السراج المنیر سورۃ سبأ آیت 24)

ترجمہ: مشرکین سے خطاب کا یہ طریقہ اس وجہ سے نہیں کہ حضور علیہ السلام کو اپنے حق پہ ہونے کا شک تھا اس لئے کہ آپ علیہ السلام نے کبھی اپنے حق پہ ہونے اور کفار کے گمراہ ہونے میں شک ہی نہیں کیا بلکہ یہ کلام اہل عرب کے محاورات کے مطابق ہے جس میں ایک بات فرض کر کے دوسرے کو دعوت فکر دی جاتی ہے اہل بیان اس محاورہ کا نام استدراج رکھتے ہیں [کہ ہم موحد تم مشرک ہو اب خود سوچو ہم میں سے حق پہ کون ہے اور گمراہ کون ہے]۔

[7]: شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ 1394ھ فرماتے ہیں:

(تحقیق ہم یا تم میں سے ایک فریق یا تو صریح ہدایت پہ ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں) یہ تو ممکن نہیں کہ دونوں حق پر ہوں۔ اہل توحید اور اہل شرک دونوں حق پر ہوں یا دونوں غلطی پر ہوں۔ لامحالہ ایک حق پر ہو گا اور وہ ہدایت یافتہ ہو گا اور دوسرا باطل پر ہو گا اور وہ گمراہ ہو گا اور دلائل سے توحید کا حق ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔“

(تفسیر معارف القرآن کاندھلوی: ج 6 ص 369 سورۃ سبأ آیت 24)

## جواب نمبر 2:

اگر اس آیت کا یہ معنی مراد لیا جائے کہ ”ہمیں اپنے حق پر ہونے کا یقین نہیں ہونا چاہیے“ تو پھر اس آیت کا ان آیات سے تعارض لازم آئے گا جن میں مؤمنین کو حق اور کافروں کو باطل پر کہا گیا ہے جبکہ یہ بات واضح ہے کہ قرآن کریم میں تعارض نہیں ہے۔

## جواب نمبر 3:

اگر یہ بات مان لی جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حق اور کفار کے باطل پر ہونے کا یقین نہیں تھا تو پھر اسلام کی ساری قربانیاں رائیگاں جاتی ہیں۔ معاذ اللہ۔ اس لیے کہ اگر اپنے حق پر ہونے کا یقین نہیں تھا تو غزوات کیوں کیے؟ ہجرت کیوں فرمائی؟ اپنی بیٹیوں کی طلاق ہوئی لیکن اپنے موقف کو کیوں نہیں چھوڑا؟ تو سوال ہو گا کہ جب حق پر نہیں تو یہ قربانیاں کس لیے؟؟

## فائدہ:

عقائد کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ ہمارا عقیدہ ہی حق اور ہمارے مخالف کا عقیدہ باطل ہے البتہ مسائل اجتہادیہ و مذاہب میں یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ ہمارا مذہب درست ہے لیکن اس میں خطا کا احتمال بھی ہے اور ہمارے مخالف کا

مذہب خطا ہے لیکن اس میں درست ہونے کا احتمال بھی ہے۔

چنانچہ امام زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ ت 970ھ فرماتے ہیں:

إِذَا سُئِلْنَا عَنْ مَذْهَبِنَا وَمَذْهَبِ مُخَالِفِينَا فِي الْفُرُوعِ ، يَجِبُ عَلَيْنَا أَنْ نُجِيبَ بِأَنَّ مَذْهَبَنَا صَوَابٌ يَحْتَمِلُ الْخَطَأَ وَمَذْهَبَ مُخَالِفِينَا خَطَأً يَحْتَمِلُ الصَّوَابَ؛ لِأَنَّكَ لَوْ قَطَعْتَ الْقَوْلَ لَمَا صَحَّ قَوْلُنَا إِنَّ الْمُجْتَهِدَ يُخْطِئُ وَيُصِيبُ.

(الاشباہ والنظائر علی مذہب ابی حنیفۃ النعمان: ص 330 فائدۃ فی اعتقاد الانسان فی مذہبہ ومذہب غیرہ)

ترجمہ: جب فروعی مسائل کے بارے میں ہم سے ہمارے اور ہمارے مخالف کے موقف کے بارے میں پوچھا جائے تو ہماری ذمہ داری ہے ہم یہ جواب دیں کہ ”ہمارا موقف درست ہے لیکن اس میں خطا کا احتمال ہے اور ہمارے مخالف کا موقف خطا ہے لیکن اس میں درست ہونے کا احتمال ہے۔“ اس لیے کہ اگر آپ نے حتمی طور پر یہ جواب دیا کہ ”ہمارا موقف ہی ٹھیک ہے“ تو پھر یہ کہنا کہ ”مجتہد خطا بھی کرتا ہے اور اس کا اجتہاد درست بھی ہوتا ہے“ ٹھیک نہ ہوگا۔

## ایمان

### ایمان کا لغوی معنی:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

الْإِيمَانُ فِي اللُّغَةِ التَّصَدِيقُ أَيْ إِذْعَانُ حُكْمِ الْمُخْبِرِ وَقَبُولُهُ وَجَعْلُهُ صَادِقًا.

(شرح العقائد النسفية: ص 299)

ترجمہ: ایمان کا لغوی معنی تصدیق ہے یعنی خبر دینے والے کی خبر کا یقین کر کے اسے قبول کرنا اور مخبر کو سچا قرار دینا۔

### ایمان کا اصطلاحی معنی:

مفتی بغداد ابوالثناء شہاب الدین سید محمود بن عبد اللہ بن محمود الحسینی آلوسی رحمہ اللہ ت 1270ھ لکھتے ہیں:

أَمَّا فِي الشَّرْحِ فَهُوَ التَّصَدِيقُ بِمَا عَلِمَ مَجِيءُ النَّبِيِّ بِهِ ضَرُورَةً تَفْصِيلاً فِيمَا عَلِمَ تَفْصِيلاً  
وَإِجْمَالاً فِيمَا عَلِمَ إِجْمَالاً .

(تفسیر روح المعانی: تفسیر سورۃ البقرۃ آیت 3)

ترجمہ: اصطلاح شریعت میں ایمان کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیزیں بدیہی طور پر ثابت ہیں ان تمام چیزوں کی تصدیق کرنا جو چیزیں تفصیلاً ثابت ہیں ان کی تفصیلی اور جو اجمالاً ثابت ہیں ان کی اجمالی تصدیق کرنا۔

### ایمان کی قسمیں:

ایمان کی دو قسمیں ہیں:

1: ایمان اجمالی: جسے ایمان مجمل بھی کہتے ہیں۔

2: ایمان تفصیلی: جسے ایمان مفصل بھی کہتے ہیں۔

### ایمان مجمل:

أَمَنْتُ بِاللَّهِ كَمَا هُوَ بِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ وَقَبِلْتُ جَمِيعَ أَحْكَامِهِ إِفْرَارًا بِاللِّسَانِ وَتَصَدِيقًا بِالْقَلْبِ

ترجمہ: میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور اپنی صفات کے ساتھ موصوف ہے اور میں اس کے تمام احکامات کو قبول کرتا ہوں جس کا مجھے زبان سے اقرار ہے اور دل سے یقین ہے۔

### ایمان مفصل:

أَمَنْتُ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرَ خَيْرَهُ وَشَرَّهُ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى وَالْبُعْثِ  
بَعْدَ الْمَوْتِ.

ترجمہ: میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر، اچھی اور بری تقدیر کے اللہ کی جانب سے ہونے پر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر۔

چنانچہ علامہ تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن تیمیہ الحرانی الحنبلی (ت 728ھ) نے اپنی کتاب ”

أولياء الرحمن وأولياء الشيطان“ (ص 26) میں ایک عنوان قائم کیا ہے: ”الإيمان المجمل والمفصل“ اور اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ نیز مفتی اعظم ہند مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ (ت 1372ھ) نے بھی اپنی کتاب ”تعلیم الاسلام“ (ص 8) میں ”ایمان مجمل“ اور ”ایمان مفصل“ کا ذکر کیا ہے۔

### فائدہ نمبر 1:

اس حوالے سے چند باتیں قابل ذکر ہیں:

- (1): مومن ہونے کے لیے ایمانیات کا اجمالی اعتقاد کافی ہے، تفصیلات اور ان کے دلائل کا جاننا ضروری نہیں۔
- (2): اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ایمانیات میں اصل الاصول کا درجہ رکھتا ہے۔ اس میں اجمالی ایمان کافی ہے تو باقی امور میں بھی اجمالی ایمان کافی ہو گا۔
- (3): اللہ تعالیٰ پر اجمالی ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مبارکہ میں جو صفات باری تعالیٰ بیان فرمائی ہیں بس ان کو مان لیا جائے، سمجھ میں آجائیں تب بھی مانا جائے اور اگر سمجھ میں نہ آئیں تب بھی مانا جائے۔
- (4): اللہ تعالیٰ، انبیاء کرام علیہم السلام، ملائکہ، آسمانی کتابیں اور آخرت وغیرہ کے بارے میں جو چیزیں قرآن و سنت میں بالتفصیل آئی ہیں ان پر تفصیلاً ایمان لانا۔

### فائدہ نمبر 2:

اہل علم کے لئے ایمان تفصیلی ضروری ہے اور عوام الناس کے لئے ایمان اجمالی کافی ہے۔ ہاں البتہ اگر کسی علاقے میں کوئی فتنہ یا فرقہ اپنے کسی غلط عقیدہ کا پرچار کر رہا ہو تو اس وقت عوام الناس پر بھی ضروری ہے کہ علمائے حق صحیح عقیدہ جس تفصیل و توضیح کے ساتھ سمجھائیں تو عوام اس کا اعتقاد رکھیں اور فاسد عقیدہ سے براءت کا اظہار کریں۔ ایسے وقت میں عوام کے لیے اجمالی ایمان کافی نہ ہو گا۔

مثال: ”حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ کے بارے میں عوام کے لئے اتنا اعتقاد کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں، قبر مبارک پر جا کر درود پڑھا جائے تو خود سنتے ہیں اور اگر دور سے پڑھا جائے تو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ اب اگر کسی علاقے میں کوئی فرقہ اس صحیح عقیدہ کے خلاف فاسد عقیدہ پیش کرے تو اس وقت جب علمائے حق صحیح عقائد کی جو توضیح و تشریح کریں اور جس تنقیح سے عقیدہ واضح کریں تو عوام پر بھی لازم ہے کہ اسی توضیح، تنقیح اور تفصیل کے ساتھ اس کا اعتقاد رکھیں اور فاسد عقائد کا صراحتاً انکار کریں۔ محض اجمال پر اکتفاء نہ کریں۔

## الْإِيمَانُ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت 150ھ کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔  
إِيمَانُ أَهْلِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ .

(الفقہ الاکبر)

ترجمہ: آسمان والوں اور زمین والوں کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔

### دلیل نمبر 1:

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

والإيمان لا يزيد ولا ينقص ؛ لأنه لا يتصور نقصانهُ إلا بزيادة الكفر ، ولا تتصورُ زيادته إلا بنقصان الكفر وكيف يجوزُ أن يكونَ الشخصُ الواحدُ في حالةٍ واحدةٍ مؤمناً وكافراً؟! (كتاب الوصية للإمام الاعظم ابى حنيفة: ص 1)

ترجمہ: ایمان نہ تو بڑھتا ہے نہ کم ہوتا ہے، اس لیے کہ ایمان میں زیادتی تبھی ہوگی جب کفر میں کمی ہوگی اور ایمان میں کمی تبھی ہوگی جب کفر میں اضافہ ہوگا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ایک ہی وقت میں مسلمان بھی ہو اور کافر بھی؟

### دلیل نمبر 2:

”ایمان“ نام ہے اس تصدیق قلبی کا جو یقین کی حد تک پہنچی ہو جس میں کمی بیشی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ اگر یقین میں کمی ہو جائے تو بندہ مؤمن نہیں رہتا اور جب تصدیق؛ یقین کی حد تک پہنچ جائے تو اس میں اضافہ بھی نہیں ہو سکتا۔

### سوال:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہ عقیدہ قرآن کریم کی آیات کے خلاف ہے اس لئے کہ کئی قرآنی آیات سے ایمان کا بڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدَ جَمَعُوا لَكُمْ فَآخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَ قَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ﴾

(سورة آل عمران: 173)

ترجمہ: جب کچھ لوگوں نے ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے کہا کہ بے شک کفار نے تمہارے کے خلاف جنگی سامان جمع کیا ہے، لہذا تم ان سے ڈرو۔ تو ان کی اس بات نے ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کا ایمان مزید بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے کہ ہم کو اللہ ہی کافی ہے اور وہ اچھا کار ساز ہے۔

﴿وَإِذَا مَا أَنْزَلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ (سورة التوبة: 124)

ترجمہ: اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان (منافقین) میں سے کچھ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو بڑھایا ہے؟ تو جو لوگ ایمان لائے ہیں اس سورت نے (واقعی) ان لوگوں کے ایمان کو بڑھا دیا ہے اور وہ (اس بات پر)

خوش بھی ہیں۔

﴿وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا﴾

(سورة الاحزاب: 22)

ترجمہ: جب مومنین نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے: یہ تو وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اس سے ان کے ایمان اور اطاعت مزید بڑھ گئی۔

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ﴾

(سورة الفتح: 4)

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے مومنین کے دلوں میں اطمینان و سکون پیدا کر دیا تاکہ ان کے (موجودہ) ایمان میں مزید ایمان کا اضافہ ہو جائے۔

﴿وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزِدَّ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا﴾

(سورة المدثر: 31)

ترجمہ: ہم نے جہنم کے کارندے فرشتوں کو ہی مقرر کیا ہے۔ ہم نے ان فرشتوں کی تعداد اس لیے مقرر کی ہے تاکہ کافروں کی آزمائش ہو، اہل کتاب کو یقین آجائے اور اہل ایمان کا ایمان بڑھے۔

جواب نمبر 1:

ایک ہے ایمان کی کمیت یعنی ”ایمانیات“ کہ کن کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ایمانیات میں سے کسی چیز کو چھوڑا جاسکتا ہے نہ ہی ان میں اضافہ کیا جاسکتا ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے فرمان ”لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ“ کا بھی یہی مطلب ہے، اور ایک ہے ایمان کی کیفیت یعنی حالت اور کیفیت جو کہ ماحول اور احوال کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے۔ یہ کیفیت ماحول اچھا ملنے کی وجہ سے بڑھ جاتی ہے اور ماحول اچھا نہ ملنے کی وجہ سے کم ہو جاتی ہے۔

تو جہاں قرآن کریم میں ہے کہ ایمان بڑھتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ ایمان کیفیت کے اعتبار سے کبھی بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے یہ آیات مبارکہ امام اعظم رحمہ اللہ کے موقف کے خلاف نہیں ہیں۔

جواب نمبر 2:

ایک ہے ایمان اجمالی اور ایک ہے ایمان تفصیلی۔ ایمان اجمالی نہ بڑھتا ہے نہ کم ہوتا ہے ہاں البتہ ایمان تفصیلی میں تفصیلات معلوم ہونے کے ساتھ ایمان تفصیلی بڑھتا رہتا ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ 792ھ فرماتے ہیں:

وَالْآيَاتُ الدَّالَّةُ عَلَى زِيَادَةِ الْإِيمَانِ مَحْمُولَةٌ عَلَى مَا ذَكَرَهُ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُمْ

كَانُوا آمَنُوا فِي الْجُمْلَةِ ثُمَّ يَأْتِي فَرَضٌ بَعْدَ فَرَضٍ وَكَانُوا يُؤْمِنُونَ بِكُلِّ فَرَضٍ خَاصَّةً.

(شرح العقائد النسفية ص 309)

ترجمہ: قرآن کریم کی جن آیات میں ایمان بڑھنے کا تذکرہ ہے تو ان کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اجمالا ایمان لاتے پھر کوئی حکم فرض ہو جاتا تو وہ اس پر بھی ایمان لے آتے اسی کو ایمان کے بڑھنے سے تعبیر کیا گیا۔

فائدہ:

اس جواب میں جس قسم کے اضافے کا ذکر ہے وہ عہد نبوت کے ساتھ خاص تھا کیونکہ عہد نبوت میں وحی کا نزول ہو رہا تھا۔ وحی کے ذریعے ایمانیات کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا جسے ”ایمان کے بڑھنے“ سے تعبیر کر دیا گیا۔ اب چونکہ وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے اس لیے کہ اب ایمان میں اس قسم کا اضافہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اب دین مکمل ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا﴾

(سورة المائدة: 3)

ترجمہ: میں نے آج تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔ اب حکم ہے کہ امت نے اس دین کامل کو مکمل طور پر ماننا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾

(سورة البقرة: 208)

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

## شرائطِ ایمان

اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی بھی شخص مومن اس وقت شمار ہوتا ہے جب وہ ان تمام چیزوں کی دل و جان سے تصدیق کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، خواہ یہ شخص زبان سے اقرار کرے یا زبان سے اقرار نہ کرے۔

(1): امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوئی (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ مَنْ آمَنَ بِلسَانِهِ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِقَلْبِهِ لَمْ يَكُنْ عِنْدَ اللَّهِ مُؤْمِنًا ، وَمَنْ آمَنَ بِقَلْبِهِ وَلَمْ يَتَكَلَّمْ بِلسَانِهِ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ مُؤْمِنًا.

(کتاب العالم والمتعلم: ص 10)

ترجمہ: جو شخص زبان سے ایمان کا اقرار کرتا ہے لیکن دل سے تصدیق نہیں کرتا تو وہ اللہ کے ہاں مومن شمار نہیں ہوگا اور جو شخص دل سے تو تصدیق کرتا ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتا تو ایسا شخص اللہ کے ہاں مومن شمار ہوگا۔

(2): امام سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی (ت 792ھ) لکھتے ہیں:

مَنْ صَدَّقَ بِقَلْبِهِ وَلَمْ يُقِرَّ بِلسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ عِنْدَ اللَّهِ.

(شرح العقائد النسفية: ص 122)

ترجمہ: اگر کوئی شخص دل سے تو تصدیق کرتا ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتا تو وہ عند اللہ مومن ہوگا۔

(3): شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (ت 1369ھ) لکھتے ہیں:

مَنْ صَدَّقَ الرَّسُولَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَمِيعِ مَا جَاءَ بِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ تَعَالَى فَهُوَ مُؤْمِنٌ فِيمَا بَيَّنَّهُ وَبَيَّنَّ اللَّهُ تَعَالَى وَإِنْ لَمْ يُقِرَّ بِلسَانِهِ.

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ج 1 ص 434 کتاب الایمان، بحث الاقرار شرط للايمان ام لا)

ترجمہ: جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تمام باتوں میں تصدیق کرتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی جانب سے لائے ہیں تو ایسا شخص مومن کہلائے گا اگرچہ وہ زبان سے اقرار نہ کرتا ہو۔

فائدہ نمبر 1:

ایمان اصل میں ”تصدیق قلبی“ کا نام ہے اقرار باللسان ایمان کی علامت و نشانی ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (ت 1369ھ) امام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی (ت 505ھ) کے حوالے

سے لکھتے ہیں:

"وَ الْإِيْمَانُ هُوَ التَّصَدِيقُ الْمَحْضُ وَاللِّسَانُ تَرْجُمَانُ الْإِيْمَانِ."

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ج 1 ص 435 کتاب الایمان، بحث الاقرار شرط للايمان ام لا)

ترجمہ: ایمان محض تصدیق کا نام ہے اور زبان اس ایمان کی ترجمان ہے۔

## فائدہ نمبر 2:

اقرار باللسان تین وقتوں میں ضروری ہے:

[1]: زندگی میں ایک بار ایمان کا زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص دل سے تصدیق تو کرتا ہو لیکن قدرت کے باوجود زبانی سے اقرار نہ کرتا ہو تو اسے فاسق کہیں گے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (ت 1369ھ) امام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی (ت 505ھ) کے حوالے سے لکھتے

ہیں:

قَالَ الْغَزَالِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: "الدَّرَجَةُ الْخَامِسَةُ أَنْ يُصَدِّقَ بِالْقَلْبِ ، وَيُسَلِّمَ ، وَيُسَاعِدَهُ مِنَ الْعُمْرِ مُهَلَّةً النَّطْقُ بِكَلِمَتِي الشَّهَادَةِ ، وَعَلِمَ وَجُوبَهَا ، وَلَكِنَّهُ لَمْ يَنْطِقْ بِهَا، (وَلَمْ يَجِدْ بِهَا) فَيَحْتَمِلُ أَنْ يُجْعَلَ امْتِنَاعُهُ عَنِ النَّطْقِ كَامْتِنَاعِهِ عَنِ الصَّلَاةِ ، وَنَقُولُ: هُوَ مُؤْمِنٌ غَيْرُ مُخَلِّدٍ فِي النَّارِ .

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ج 1 ص 435 کتاب الایمان، بحث الاقرار بشرط اللایمان ام لا)

ترجمہ: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان کا پانچواں درجہ یہ ہے کہ انسان دل سے تصدیق کرے، (ظاہر سے) تسلیم بھی کرے اور زندگی میں اسے اتنی مہلت ملے جس میں وہ زبان سے شہادت تین کے الفاظ ادا کر سکتا ہو اور اسے یہ علم بھی ہو کہ (زندگی میں ایک بار) زبان سے ادا نیگی واجب ہے اور پھر بھی یہ شخص زبان سے شہادت تین کے الفاظ ادا نہیں کرتا اور اس کا انکار بھی نہیں کرتا تو اس میں یہ احتمال ہے کہ اس شخص کا زبان سے اظہار کرنے سے رکنا ایسا ہی ہو جیسے نماز (کو مانتے ہوئے اس) کی ادا نیگی سے رکنا ہوتا ہے۔ تو ایسے شخص کے بارے میں ہم یہ کہیں گے کہ یہ شخص مومن ہے (سزا پانے کے لیے جہنم میں جائے گا) لیکن ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔

[2]: بوقت مطالبہ: جب کسی شخص کے بارے میں شبہ ہو کہ یہ مومن ہے یا کافر اور اس وقت اس سے مطالبہ کیا جائے تو اس وقت زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید المعروف ابن الہمام رحمہ اللہ ت 861ھ فرماتے ہیں:

اتَّفَقَ الْقَائِلُونَ بِعَدَمِ اعْتِبَارِ الْإِفْرَارِ عَلَى أَنْ يَعْتَقِدَ أَنَّهُ مَتَى طُولِبَ بِهِ أَتَى بِهِ فَإِنْ طُولِبَ بِهِ فَلَمْ يُقِرَّ فَهُوَ كُفْرٌ عِنَادٍ .

(المسایرة شرح المسامرة عنوان: الخاتمة فی بحث الایمان)

ترجمہ: جن متکلمین کے ہاں اقرار باللسان ایمان کے لئے ضروری نہیں وہ سب بھی اس بات پر متفق ہیں کہ جب اقرار باللسان کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اقرار کرے اگر مطالبہ کے باوجود اقرار نہ کیا تو وہ عنادی کافر ہو گا۔

[3]: بوقت اجراء احکام۔ کسی شخص پر احکام اسلام اس وقت جاری ہوں گے جب وہ اپنی زبان سے اسلام کا اقرار کرے۔

امام ابو المعین میمون بن محمد بن محمد بن معبد بن مکحول النسفی الحنفی (ت 508ھ) لکھتے ہیں:

مَنْ أَتَى بِهَذَا التَّصَدِيقِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى، وَالْإِفْرَارُ يُحْتَاجُ إِلَيْهِ لِيَقِفَ عَلَيْهِ الْخَلْقُ فَيُجْزُوا أَحْكَامَ الْإِسْلَامِ .

(التمہید فی اصول الدین للنسفی: ص 146 فصل فی ماہیة الایمان)

ترجمہ: جو شخص یہ تصدیق کرے گا تو اس کا معاملہ اللہ کے ہاں بطور مؤمن ہو گا۔ اقرارِ لسانی کی ضرورت اس لیے پڑتی ہے تاکہ لوگ اس شخص کے ایمان کو جان سکیں اور احکامِ اسلام اس پر جاری کر سکیں۔

امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ المعروف سعد الدین تفتازانی (ت 792ھ) لکھتے ہیں:

وَذَهَبَ جُمْهُورُ الْمُحَقِّقِينَ إِلَى أَنَّهُ هُوَ التَّصَدِيقُ بِالْقَلْبِ وَإِنَّمَا الْإِقْرَارُ شَرْطٌ لِإِجْرَاءِ الْأَحْكَامِ فِي الدُّنْيَا لِمَا أَنَّ تَصَدِيقَ الْقَلْبِ أَمْرٌ بَاطِنٌ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ عَلَامَةٍ.

(شرح العقائد النسفية: ص 122)

ترجمہ: جمہور حضرات کا موقف یہ ہے کہ ایمان تو ”تصدیقِ قلبی“ ہی کا نام ہے۔ رہا زبان سے اقرار کرنا تو وہ دنیاوی احکام جاری کرنے کے لیے شرط ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تصدیق ایک باطنی امر ہے جس کے لیے کسی ظاہری علامت کا پایا جانا ضروری ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (ت 1369ھ) لکھتے ہیں:

الْإِقْرَارُ بِاللِّسَانِ شَرْطٌ لِلْإِيمَانِ فِي حَقِّ إِجْرَاءِ الْأَحْكَامِ فَقَطُّ.

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم: ج 1 ص 434 کتاب الایمان، بحث الاقرار شرط للایمان ام لا)

ترجمہ: اقرار باللسان کا ایمان کے لیے شرط ہونا فقط دنیاوی احکام کے جاری ہونے کے اعتبار سے ہے۔

فائدہ نمبر 3:

یہ معاملہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے مابین ہے مگر اسے کسی معاشرہ میں مومن اس وقت سمجھا جائے گا جب اس میں دو

شرائط پائی جائیں:

1: اقرار باللسان

زبان سے شہادتین کا اقرار کرنا۔

2: براءت عن اہل الباطل:

ادیانِ باطلہ سے براءت کا اعلان کرنا

فائدہ نمبر 4:

اگر کوئی شخص دل سے تصدیق بھی کرتا ہے، زبان سے اقرار بھی کرتا ہے لیکن دیگر ادیان کو باطل نہیں سمجھتا تو اس کا

ایمان معتبر نہیں۔

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحنفی الحنفی رحمہ اللہ ت 1088ھ فرماتے ہیں:

( وَإِسْلَامُهُ أَنْ يَنْبَرَأَ عَنِ الْأَدْيَانِ ) سِوَى الْإِسْلَامِ ( أَوْ عَمَّا انْتَقَلَ إِلَيْهِ ) بَعْدَ نُطْقِهِ

بِالشَّهَادَتَيْنِ.

(الدر المختار: باب المرتد)

ترجمہ: مرتد کا اسلام تب قبول ہو گا جب وہ کلمہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ اسلام کے علاوہ تمام ادیان سے یا جو دین اس نے اختیار

کر رکھا ہے اس سے اعلان براءت کرے۔

علامہ علاء الدین الحسکفی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:  
وَلَوْ أَنِّي بِهِمَا عَلَى وَجْهِ الْعَادَةِ لَمْ يَنْفَعُهُ مَا لَمْ يَتَّبِرْ أَوْ (بِرَّازِيَّةً).

(الدر المختار: باب المرتد)

ترجمہ: اور اگر کوئی شخص ادیانِ باطلہ سے اعلانِ براءت کئے بغیر صرف کلمہ پڑھتا ہے تو اس سے اس شخص کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ بات فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

## اسلام

### اسلام کا لغوی معنی:

لغت کی کتاب ”المنجد“ میں ہے:  
الْإِسْلَامُ (مص) الْإِنْقِيَادُ لِأَمْرِ الْأَمْرِ وَنَهْيِهِ بِلَا عِتْرَاضٍ.

(المنجد فی اللغة: ص 347)

ترجمہ: اسلام؛ مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے کہ کسی کے حکم کرنے یا منع کرنے کے سامنے بلاچوں چراسر جھکا دینا۔

### اسلام کا اصطلاحی معنی:

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ 150ھ فرماتے ہیں:  
وَالْإِسْلَامُ هُوَ التَّسْلِيمُ وَالْإِنْقِيَادُ لِأَوْامِرِ اللَّهِ تَعَالَى.

(الفقہ الاکبر)

ترجمہ: اسلام؛ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو تسلیم کرنے اور ان کی اطاعت کرنے کا نام ہے۔

### ایمان اور اسلام میں فرق:

[۱]: ﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَ لَكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾

(سورۃ الحجرات: 14)

ترجمہ: یہ دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اے پیغمبر! آپ ان سے فرمادیجیے کہ تم لوگ ایمان تو نہیں لائے، البتہ یہ کہو کہ ہم نے ظاہری طور پر خود کو آپ کے سپرد کر دیا ہے اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

[۲]: امام ابوالحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ، إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ، حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ، وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا"، قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ، وَيُصَدِّقُهُ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ، قَالَ: "أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ،

وَمَلَأَيْتُهُ، وَكُتِبَ، وَرُسِلَ، وَالْيَوْمَ الْآخِرَ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ، قَالَ: "أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ"، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ، قَالَ: "مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ" قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ أَمَارَتِهَا، قَالَ: "أَنْ تَلِدَ الْأُمَّةُ رَبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّيْءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ"، قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا، ثُمَّ قَالَ لِي: "يَا عُمَرُ أَنْتَدِرِي مِنَ السَّائِلِ؟" قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: "فَإِنَّهُ جَبْرِيْلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ."

(صحیح مسلم: کتاب الایمان رقم الحدیث 1)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص ہمارے سامنے نمودار ہوا۔ اس کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے۔ اس شخص پر سفر کا کوئی نام و نشان دکھائی دیتا تھا نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ آکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ملا دیے، اور اپنے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیے، اور عرض کی: اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد - صلی اللہ علیہ وسلم - اس کے رسول ہیں، نماز کا اہتمام کیا کرو، زکاۃ ادا کیا کرو، رمضان کے روزے رکھا کرو اور اگر اللہ کے گھر تک کے راستہ کی استطاعت ہو تو اس کا حج کیا کرو۔" اس آنے والے شخص نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتا ہے اور خود ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر اس نے کہا: مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخری دن پر ایمان رکھو اور اچھی اور بری تقدیر پر بھی ایمان لاؤ۔" اس نے کہا: آپ نے درست فرمایا۔ پھر اس نے کہا: مجھے احسان کے بارے میں بتائیے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے (یعنی پہلی کیفیت پیدا نہ) تو (یہ تصور کرو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔" پھر اس شخص نے کہا: مجھے قیامت کے بارے میں بتائیے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس سے اس کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے، وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔" پھر اس نے کہا: تو مجھے قیامت کی علامات ہی بتا دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لو نڈی اپنی مالکہ کو جنے گی اور یہ کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن، محتاج، بکریاں چرانے والے لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ اونچی سے اونچی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ (فخر و مباحات) کر رہے ہیں۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر وہ سائل چلا گیا۔ میں اسی عالم میں رہا (یعنی سوچتا رہا کہ یہ شخص کون تھا؟)، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "اے عمر! تمہیں معلوم ہے کہ یہ سوالات پوچھنے والا شخص کون تھا؟" میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ جبریل علیہ السلام تھے، تمہارے پاس آئے تھے تاکہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں!"

[۳]: امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الیہتی (ت 458ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا صَلَّى عَلَيَّ جَنَازَةً قَالَ: "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنثَانَا ، اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَيَّ الْإِسْلَامِ ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَيَّ الْإِيمَانَ".

(لسنن الکبریٰ للبیہقی: ج 3 ص 367 کتاب الجنائز باب الدعاء فی الصلاة علی الجنائز)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی میت کی نماز جنازہ پڑھتے تو یہ دعا مانگتے تھے: "اے اللہ! ہمارے زندوں اور مردوں کو بخش دے، ہمارے حاضر اور غائب کو بخش دے ہمارے چھوٹوں اور بڑوں کو بخش دے، ہمارے مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جس کو زندہ رکھے تو اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو موت دے تو ایمان کی حالت میں موت دے۔"

فائدہ:

ایمان اور اسلام میں جو بظاہر فرق نظر آ رہا ہے یہ لغوی اعتبار سے ہے وگرنہ شرعی اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ حقیقت میں دونوں ایک ہی ہیں کہ "ایمان" کا معنی ہے دل و جان سے یقین کرنا اور "اسلام" کا معنی ہے دل و جان سے خود کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کرنا۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت 150ھ فرماتے ہیں:

فَمِنْ طَرِيقِ اللَّعَةِ فَرَّقُ بَيْنَ الْإِسْلَامِ وَالْإِيمَانِ وَلَكِنْ لَا يَكُونُ إِيْمَانٌ بِلَا إِسْلَامٍ وَلَا يُوجَدُ إِسْلَامٌ بِلَا إِيْمَانٍ وَهُمَا كَالظَّهْرِ مَعَ الْبَطْنِ.

(الفقہ الاکبر)

ترجمہ: لغوی اعتبار سے تو اسلام اور ایمان میں فرق ہے لیکن ایمان (شرعاً) اسلام کے بغیر اور اسلام (شرعاً) ایمان کے بغیر نہیں پایا جاسکتا۔ ان کا آپس میں تعلق ایسے ہے جیسے پیٹھ اور پیٹ کا تعلق ہے (کہ ایک کا وجود دوسرے کے بغیر ممکن نہیں ہے)

معیار ایمان:

عقائد میں معیار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں یعنی عقیدہ وہی معتبر ہو گا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

والا ہو گا۔

دلیل نمبر 1:

﴿ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ﴾ (سورۃ البقرہ: 137)

ترجمہ: اگر لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جیسا ایمان لائیں گے تو ہدایت پائیں گے۔

سوال:

اللہ رب العزت نے ایمان کے قبول ہونے کی شرط یہ لگائی کہ تمہارا ایمان صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان جیسا ہو تو میں قبول کروں گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان جیسا ایمان ہونا ناممکن ہے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی صحبت کی وجہ سے ہے، نہ نبی نے آنا ہے نہ نبی کی صحبت ملنی ہے اور نہ صحابی جیسا ایمان ہونا ہے۔ تو ہمیں اس چیز کا حکم دیا جا رہا ہے جس کی ہم میں استطاعت ہی نہیں۔ یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

**جواب:**

”مثل“ کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

1: مثل بالکمیت (مقدار میں) 2: مثل بالکیفیت (کیفیات اور احوال میں)

تو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہاری ایمانی کمیت صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایمانی کمیت جیسی ہو، مطلب یہ کہ جن جن چیزوں پر وہ ایمان لائے ہیں ان ان چیزوں پر ایمان لاؤ گے تو کامیابی ہے، اس سے کیفیت ایمان مراد نہیں۔

**فائدہ:**

مثل بالکیفیت کی طرح مثل بالکمیت بھی قرآن مجید میں ذکر ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾

(سورۃ الطلاق: 12)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا فرمائے اور سات ہی زمینیں پیدا فرمائیں۔

اس آیت کریمہ میں ”مثل“ سے مراد ”مثل بالکمیت“ ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے آسمان سات بنائے ہیں اسی طرح

اللہ تعالیٰ نے زمینیں بھی سات ہی بنائی ہیں۔

**دلیل نمبر 2:**

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لِيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّىٰ إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً." قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: "مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي."

(جامع الترمذی: باب ماجاء فی افتراق الامم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ساتھ وہی صورت حال پیش آئے گی جو بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آچکی ہے۔ یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ بدکاری کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس کا مرتکب ہوگا۔ مزید فرمایا: بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ایک جماعت کو چھوڑ کر باقی سب فرقے جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! جنت میں جانے والی جماعت کون سی ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو بات میری اور اس کا مطلب میرے صحابہ سے لیں گے۔

فائدہ:

جس طرح ایمان میں معیار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اسی طرح اعمال میں بھی معیار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی ہیں۔

دلیل نمبر 1

﴿وَالسَّبِقُونَ الْأَوْلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾

(سورة التوبة: 100)

ترجمہ: مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہے اور وہ اللہ پاک سے راضی ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں ﴿وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ﴾ کے الفاظ ہیں۔ ”اتباع“ کا معنی ہے ”اعمال میں کسی کے نقش قدم پر چلنا“۔

دلیل نمبر 2:

امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر القرطبی المالکی (ت 463ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُتَأَسِّيًّا فَلْيَتَأَسَّ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَبْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ قُلُوبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقْلَهَا تَكْلَفًا وَأَقْوَمَهَا هَدْيًا وَأَحْسَنَهَا حَالًا، قَوْمًا اخْتَارَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِقَامَةِ دِينِهِ، فَاعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوهُمْ فِي آثَارِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْهَدْيِ الْمُسْتَقِيمِ.

(جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر: ج 2 ص 198)

ترجمہ: امام قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص اقتداء کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرے۔ کیونکہ یہ حضرات امت میں سب سے پاکیزہ دل والے تھے، گہرے علم والے تھے، مزاج میں سب سے زیادہ بے تکلف تھے، دینی امور میں نہایت معتدل اور بہترین اخلاق والے تھے۔ یہ وہ جماعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ تم ان کی قدر پہچانو اور ان کے آثار کی اتباع کرو کیونکہ یہی لوگ صراط مستقیم پر ہیں۔

اشکال نمبر 1:

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے گناہوں کا صدور ہوا ہے۔ اگر وہ معیار حق ہیں تو کیا اس کا یہی معنی ہو گا کہ ہم بھی

انہی گناہوں کا ارتکاب کریں؟

جواب:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق ہونے کا معنی یہ ہے کہ جو نیک اعمال وہ کریں ہم بھی وہی کریں اور اگر ہم سے گناہ ہو جائے تو پھر دیکھیں کہ جب صحابی سے گناہ سرزد ہوا تھا تو جس طرح انہوں نے توبہ کی تھی ہم بھی اسی طرح توبہ کریں۔

اشکال نمبر 2:

قرآن کریم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم معیارِ حق ہیں نہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ اس لیے کہ قرآن کریم ہر اعتبار سے محفوظ ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں۔ تو معیارِ حق یہی دو ہیں۔

جواب:

قرآن کریم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق۔  
قرآن کریم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہونا واضح ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق ہونے کا معنی یہ ہے کہ ہم قرآن کریم اسی کتاب کو کہیں گے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے سے ہمیں ملی ہے۔ اسی طرح حدیث رسول، سنت رسول اور سیرت رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بھی اسے ہی کہیں گے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے سے ہمیں ملی ہو۔ اس معنی کے اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔

## کفر کا بیان

کفر کا لغوی معنی:

علامہ محمد عبدالرؤف بن تاج العارفین المناوی رحمہ اللہ (ت 1031ھ) لکھتے ہیں:  
الْكَفْرُ: تَغْطِيَةٌ مَا حَقُّهُ الْإِظْهَارُ.

(التعاريف: فصل الفاء)

ترجمہ: جس چیز کو ظاہر کرنا چاہے اسے چھپالینا ”کفر“ کہلاتا ہے۔

کفر کا اصطلاحی معنی:

الْكَفْرُ هُوَ التَّكْذِيبُ بِمَا عَلِمَ مَجِيءُ النَّبِيِّ بِهِ ضَرُورَةً.

(تنقيحات متکلم اسلام)

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیزیں بدیہی طور پر ثابت ہیں ان کا انکار کرنا کفر کہلاتا ہے۔

## کفر کی اقسام

### [1]: کفر انکار

اسلام کو ظاہراً اور باطناً نہ ماننا۔

مثال: عامۃ الکفار کا کفر۔

### [2]: کفر نفاق

زبان سے اسلام کا اظہار کرنا مگر دل سے انکار کرنا۔

مثال: عبد اللہ بن ابی کا کفر۔

### نفاق کی قسمیں:

نفاق کی دو قسمیں ہیں:

#### ۱: نفاق اعتقادی

اسلام کا اظہار کر کے کفر کو چھپانا۔

مثال: عبد اللہ بن ابی بن سلول۔

کفر کی یہ قسم انتہائی خطرناک ہے اور اس کا اخروی انجام سب سے برا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا﴾ (سورۃ النساء: 145)

ترجمہ: بے شک منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور آپ کس کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔

#### ۲: نفاق عملی

دل میں ایمان موجود ہو اور زبان سے اس کا اظہار بھی کیا جائے لیکن بعض کام ایسے کئے جائیں جو منافقین کی عادات ہیں

جیسے جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا۔

فائدہ نمبر 1: قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں منافقین کی کئی علامات بتائی گئی ہیں:

(1): ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾

(سورۃ النساء: 142)

ترجمہ: منافقین اپنے گمان میں اللہ تعالیٰ کو دھوکا دے رہے ہیں، حالانکہ درحقیقت اس نے انہیں دھوکے میں ڈالا ہوا ہے۔ اور

جب یہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے اور لوگوں کے دکھانے کو کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے

ہیں۔

(2): امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا أُؤْتِمِنَ خَانَ."

(صحیح البخاری: کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین علامتیں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف کرے اور اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

(3): امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصَلَةٌ مِمَّنْ هُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصَلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدْعَهَا؛ إِذَا أُؤْتِمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ."

(صحیح البخاری: کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار خصلتیں جس کے اندر ہوں وہ پکا منافق ہے اور جس کے اندر ان چار میں سے ایک خصلت ہو تو اس میں اسی خصلت کے بقدر نفاق ہو گا۔ وہ خصلتیں

یہ ہیں:

1: جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

2: جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

3: جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔

4: جب بحث و تکرار کرے تو گالم گلوچ پر اتر آئے۔

فائدہ نمبر 2: یہ اور ان جیسی دیگر احادیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان اپنی ذات میں غور کرے کہ خود کو ان علامات سے

بچانے کی فکر کرے۔ اگر خدا نخواستہ اس میں یہ علامات پائی جاتی ہوں تو انہیں دور کرنے کی کوشش کرے۔ ان احادیث کا مطلب

یہ نہیں کہ انسان جس شخص میں یہ علامات دیکھے تو اس پر نفاق کا فتویٰ لگائے۔

فائدہ نمبر 3: ”نفاقِ عملی“ اگرچہ حقیقتاً کفر کی قسم نہیں کیونکہ یہاں ”نفاق“ سے مراد ”نفاقِ اعتقادی“ ہے اور یہ عملی ہے

لیکن اسے کفر کی اقسام میں شمار کرنا ایسے ہی ہے جس طرح ”حدیثِ موضوع“ کو حدیث کی قسم اور ”تاویلِ باطل“ کو تاویل کی قسم

شمار کیا جاتا ہے۔

[3]: کفر ارتداد

اپنی مرضی اور رضامندی سے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے پھر جانا۔

مثال: عبد اللہ بن نواحہ کا کفر۔

فائدہ: مسیلمہ کذاب نے جب دعویٰ نبوت کیا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو قاصد بھیجے ان میں سے ایک عبد اللہ

بن نواحہ اور دوسرا ابن اُتال تھا۔ سن 11 ہجری میں جب مسلمہ اور اس کے متبعین پر چڑھائی کی گئی تو مسلمہ اور اس کے کئی متبعین اس جنگ میں واصل جہنم ہوئے اور کئی متبعین بچ گئے۔ عبد اللہ بن نواحہ بھی انہی میں سے تھا جو بچ گئے۔ اس نے اسلام قبول کر لیا لیکن بعد میں مرتد ہو گیا اور اس ارتداد کی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کروا دیا۔

اس کے قتل کا واقعہ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد الحاکم النیشابوری الشافعی (ت 405ھ) نقل کرتے ہیں:

عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْمَسْعُودِيِّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ! إِنَّ هَا هُنَا قَوْمًا يَقْرَأُونَ مِنْ قِرَاءَةِ مُسَيْلِمَةَ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ: أَكْتَابَ غَيْرُ كِتَابِ اللَّهِ، أَوْ رَسُولُ غَيْرِ رَسُولِ اللَّهِ بَعْدَ فَشْوِ الْإِسْلَامِ؟" فَرَدَّهُ فَجَاءَ إِلَيْهِ بَعْدُ، فَقَالَ: يَا عَبْدَ اللَّهِ! وَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ أَنَّهُمْ فِي الدَّارِ لَيَقْرَأُونَ عَلَى قِرَاءَةِ مُسَيْلِمَةَ، وَإِنَّ مَعَهُمْ لَمُصْحَفًا فِيهِ قِرَاءَةُ مُسَيْلِمَةَ، وَذَلِكَ فِي زَمَانِ عُمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ لِقَرِظَةَ - وَكَانَ صَاحِبَ حَيْلٍ -: "انْطَلِقْ حَتَّى تُحِيطَ بِالدَّارِ فَتَأْخُذْ مَنْ فِيهَا، فَفَعَلْنَا بِثَمَانِينَ رَجُلًا، فَقَالَ لَهُمْ عَبْدُ اللَّهِ: "وَيَحْكُمُ أَكْتَابُ غَيْرِ كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى، أَوْ رَسُولُ غَيْرِ رَسُولِ اللَّهِ؟" فَقَالُوا: نَتُوبُ إِلَى اللَّهِ، فَإِنَّا قَدْ ظَلَمْنَا، فَتَرَكَهُمْ عَبْدُ اللَّهِ لَمْ يُقَاتِلْهُمْ، وَسَيَّرَهُمْ إِلَى الشَّامِ، غَيْرَ رَئِيسِهِمْ ابْنَ النَّوَّاحَةِ أَبِي أَنْ يَتُوبَ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ لِقَرِظَةَ: "أَذْهَبَ فَاضْرِبْ عُقْفَهُ، وَاطْرَحْ رَأْسَهُ فِي حِجْرِ أُمِّهِ، فَإِنِّي أَرَاهَا قَدْ عَلِمَتْ فِعْلَهُ فَفَعَلْ."

ثُمَّ أَنْشَأَ عَبْدُ اللَّهِ يُحَدِّثُ بِحَدِيثِهِ، فَقَالَ: "إِنَّ هَذَا جَاءَ هُوَ وَابْنُ أُتَالٍ رَسُولَيْنِ مِنْ عِنْدِ مُسَيْلِمَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ؟" فَقَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَوْلَا إِنَّكَ رَسُولٌ لَقَاتَلْنَاكَ." فَجَرَّتِ السُّنَّةُ يَوْمَئِذٍ أَنْ لَا يُقْتَلَ رَسُولٌ."

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ج 3 ص 54 ذکر مسلمیة الکذاب وادعائه النبوة)

ترجمہ: قاسم بن عبد الرحمن بن عبد اللہ المسعودی اپنے والد عبد الرحمن بن عبد اللہ المسعودی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا: ابو عبد الرحمن! یہاں کچھ لوگ ہیں جو مسلمہ کی قرأت پڑھتے ہیں (یعنی قرآن کو چھوڑ کر مسلمہ کی کتاب پڑھتے ہیں) تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اسلام پھیل چکا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے علاوہ بھی کوئی کتاب ہے اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی علاوہ بھی کوئی رسول ہے؟ (کہ جس کی پیروی کی جائے) چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے (یہی بات کہہ کر ان لوگوں کی) تردید فرمادی۔ وہ شخص پھر آیا اور کہنے لگا: اے عبد اللہ! اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں، یہ لوگ ایک گھر میں جمع ہیں اور مسلمہ کی قرأت پڑھتے ہیں اور ان کے پاس ایک مصحف ہے جس میں مسلمہ کی قرأت ہے۔ یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے کا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرظہ کو حکم فرمایا جو کہ گھڑ سوار تھا کہ جاؤ، اس مکان کا محاصرہ کرو اور جو افراد اس میں موجود ہوں انہیں پکڑ لو۔ چنانچہ وہ گیا اور اسی افراد کو پکڑ کر لے آیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: تم لوگوں پر افسوس ہے، کیا اللہ کی کتاب کے علاوہ بھی کوئی کتاب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بھی کوئی رسول ہے؟ (کہ جن کی اتباع کی جائے؟) ان سب نے عرض کی کہ ہم توبہ کرتے ہیں، واقعی ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سب کو چھوڑ دیا اور قتل نہ کیا بلکہ انہیں شام کی طرف روانہ کر دیا سوائے ان

کے سربراہ عبد اللہ بن نواحہ کے کیوں کہ اس نے توبہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرظہ کو فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور اس کی گردن اڑا دو اور اس کے سر کو اس کی ماں کی گود میں ڈال دو کیونکہ مجھے علم ہے کہ اس کی ماں کو اس کے ان کر تو توں کو پتا ہے۔ چنانچہ قرظہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان فرمانے لگے، فرمایا کہ یہ (عبد اللہ بن نواحہ) اور ابن اُتال مسیلمہ کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نمائندے بن کر آئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ تو اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا تھا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کے رسول ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا تھا کہ ”اگر تو سفیر نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا۔“ اس وقت سے یہ طریقہ کار جاری ہوا کہ سفیر کو قتل نہیں کیا گیا۔

کم و بیش یہی واقعہ حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت 852ھ) نے اپنی کتاب الاصابۃ فی تمییز الصحابہ رضی اللہ عنہم (ج 5 ص 215) اور تغلیق التعلیق (ج 3 ص 29) میں بھی ذکر کیا ہے۔

#### [4]: کفر شرک

اللہ کو مان کر اس کی ذات یا مخصوص صفات میں کسی غیر کو شریک کرنا۔

مثال: مشرکین مکہ۔

#### [5]: کفر کتابی

پہلی کسی آسمانی کتاب کو ماننے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد قرآن کریم کا انکار کرنا۔

مثال: یہود و نصاریٰ۔

#### [6]: کفر دہری

عالم کو قدیم مان کر حوادث کو زمانہ کی طرف منسوب کرنا۔

مثال: فرقہ دہریہ

#### [7]: کفر معظلی

وجود باری تعالیٰ کا انکار کرنا۔

مثال: فرقہ معطلہ

#### [8]: کفر زندقہ

اس کی دو صورتیں ہیں:

1: ایمان کا دعویٰ کر کے ضروریات دین کا صراحتاً انکار کرنا۔

مثال: دعویٰ اسلام کے ساتھ خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انکار۔

2: ایسی تاویل کرنا جو امت کے متواتر عقیدہ کے منافی ہو۔

مثال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مان کر ختم نبوت میں ظلی اور بُروزی کی تاویل کرنا۔

فائدہ: بُروزی کا معنی:

”بُروز“ (با اور را کے ضمہ کے ساتھ) کا معنی ہے کہ کسی ایک شخصیت کی جگہ کوئی دوسرا شخص ظاہر ہو جائے۔ مرزائی لوگ مرزا قادیانی کو ”بروزی نبی“ مانتے ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ - معاذ اللہ - مرزا قادیانی؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر ظاہر ہوا ہے۔

[9]: کفر جمود

دل سے ایمان کی حقانیت سمجھنا اور زبان سے اعتراف نہ کرنا۔

مثال: ابلیس۔

[10]: کفر عناد

دل سے حق سمجھنا، زبان سے اقرار بھی کرنا مگر اسے قبول نہ کرنا۔

مثال: ابوطالب۔

[11]: کفر مفادی

کسی دنیاوی مفاد کی غرض سے اپنے آپ کو کافر کہنا یا لکھنا۔

مثال: بعض لوگوں کا کسی کافر ملک کا ویزہ حاصل کرنے کے لیے ویزا فارم میں دین (Religion) کے خانے میں خود کو ”قادیانی“ یا کوئی اور غیر مسلم لکھوانا۔

فائدہ: اپنے آپ کو صراحتاً کسی کافر فرقہ یا اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی طرف منسوب کرنا موجب کفر ہے۔ مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

سوال:

کفر مفادی (جس میں لوگ خود کو ”قادیانی“ یا کوئی اور غیر مسلم لکھ دیتے ہیں) اگر کفر ہے تو حالتِ اضطراب یا کسی دینی مصلحت کے پیش نظر کلمہ کفر کہنا بھی کفر ہونا چاہیے کیونکہ اس میں بھی انسان کلمہ کفر زبان سے کہتا ہے۔

جواب:

ایک ہے دفعِ مضرت (نقصان سے بچنے) کے لیے کلمہ کفر کہنا اور ایک ہے جلبِ منفعت (مفاد کے حصول) کے لیے کلمہ کفر کہنا۔ دونوں میں فرق ہے۔ اول؛ کفر نہ ہو گا جبکہ ثانی کفر ہو گا۔ نیز دفعِ مضرت کے لیے کلمہ کفر کہنے کی گنجائش اس وقت ہے جب وہ مضرت ایسی ہو جسے شریعت سے مضرت سمجھا ہو۔

**فائدہ:** حالتِ اضطراب یا کسی دینی مصلحت کی وجہ سے کلمہ کفر کہنا موجب کفر نہیں۔ اس کی تفصیل اور دلیل آگے آرہی ہے (بہ عنوان: عدم تکفیر کے اسباب، سبب نمبر 4 ”دینی ضرورت“)

**فائدہ نمبر 1:**

کفر کی ان گیارہ (11) اقسام میں سے آٹھ اقسام کا تذکرہ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ نے جبکہ قسم نمبر نو (9) اور دس (10) کا اضافہ خاتم الحدیث علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ 1352ھ نے کیا ہے۔ گیارہویں (11) قسم صراحت کے ساتھ کتب علم الکلام میں ہماری نظر سے نہیں گزری لیکن موجودہ دور میں چونکہ ایسا معاملہ پیش آتا رہتا ہے اس لیے بندہ نے ان اقسام میں اس قسم کا اضافہ کر دیا ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ لکھتے ہیں:

- [1]: قَدْ ظَهَرَ أَنَّ الْكَافِرَ اسْمٌ لِمَنْ لَا إِيمَانَ لَهُ
- [2]: فَإِنْ أَظْهَرَ الْإِيمَانَ خُصَّ بِاسْمِ الْمُنَافِقِ
- [3]: وَإِنْ طَرَأَ كُفْرُهُ بَعْدَ الْإِسْلَامِ خُصَّ بِاسْمِ الْمُرْتَدِّ لِرُجُوعِهِ عَنِ الْإِسْلَامِ
- [4]: وَإِنْ قَالَ بِاللَّهِينِ أَوْ أَكْثَرَ خُصَّ بِاسْمِ الْمُشْرِكِ لِإِتْبَاتِهِ الشَّرِيكَ فِي الْأُلُوهِيَّةِ
- [5]: وَإِنْ كَانَ مُتَدَبِّئًا بِبَعْضِ الْأَدْيَانِ وَالْكَتُبِ الْمَنَسُوخَةِ خُصَّ بِاسْمِ الْكِتَابِيِّ كَالْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ
- [6]: وَإِنْ كَانَ يَقُولُ بِقَدَمِ الدَّهْرِ وَإِسْنَادِ الْحَوَادِثِ إِلَيْهِ خُصَّ بِاسْمِ الدَّهْرِيِّ
- [7]: وَإِنْ كَانَ لَا يُثَبِّتُ الْبَارِيَّ تَعَالَى خُصَّ بِاسْمِ الْمُعْطَلِ
- [8]: وَإِنْ كَانَ مَعَ اعْتِرَافِهِ بِنُبُوءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِظْهَارِهِ شَعَائِرَ الْإِسْلَامِ بِيْطْنِ عَقَائِدٍ هِيَ كُفْرٌ بِالْإِتِّفَاقِ خُصَّ بِاسْمِ الزَّنْدِيقِ.

(شرح المقاصد في علم الكلام: ج 2 ص 268، 269)

**ترجمہ:**

- [1]: یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ جو مومن نہ ہو اسے ”کافر“ کہتے ہیں۔
- [2]: اگر دل میں ایمان نہ ہو مگر ایمان کا دعویٰ کرے تو وہ ”منافق“ ہے۔
- [3]: اگر ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے تو اسے ”مرتد“ کہتے ہیں اس لئے کہ وہ اسلام سے پھر گیا ہے۔
- [4]: اگر کئی معبودوں کی عبادت کا قائل ہو تو اسے ”مشرک“ کہا جائے گا اس لئے کہ وہ الوہیت میں شرکت کا قائل ہے۔
- [5]: اگر کوئی شخص پہلی آسمانی کتابوں میں سے کسی کتاب یا گزشتہ ادیان میں سے کسی دین کا پابند ہو جیسے یہود و نصاریٰ تو اسے ”کتابی“ کہا جاتا ہے۔
- [6]: اگر کسی کا نظریہ ہو کہ عالم قدیم ہے اور وہ حوادث کو زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہو تو اسے ”دھریہ“ کہتے ہیں۔

[7]: اگر کوئی شخص وجود باری تعالیٰ کا قائل ہی نہ ہو تو اسے ”معطلی“ کہا جاتا ہے۔

[8]: اگر کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا قائل ہو اور ظاہری طور پر اسلامی شعائر (نماز، روزہ وغیرہ) کا پابند ہو مگر دل میں ایسے نظریات رکھتا ہو جو بالاتفاق کفریہ ہیں تو اسے ”زندیق“ کہتے ہیں۔

خاتم الحدیث علامہ نور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ت 1352ھ لکھتے ہیں:

[9]: وَأَمَّا كُفْرُ الْجُودِ فَهُوَ أَنْ يَعْرِفَ الْحَقَّ بِقَلْبِهِ وَلَا يُقِرَّ بِلِسَانِهِ كَكُفْرِ إِبْلِيسَ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ﴾ يَعْنِي كُفْرَ الْجُودِ ،

[10]: وَأَمَّا كُفْرُ الْمُعَانَدَةِ فَهُوَ أَنْ يَعْرِفَ بِقَلْبِهِ وَيُقِرَّ بِلِسَانِهِ وَلَا يَقْبَلَ وَلَا يَتَدَيَّنَ بِهِ كَكُفْرِ أَبِي طَالِبٍ.

(فیض الباری علی صحیح البخاری: ج 1 ص 71 کتاب الایمان، اقسام الکفر)

ترجمہ:

[9]: کفر جود دل سے حق کو پہچانتا ہو لیکن زبان سے اس کا اقرار نہ کرتا ہوں جیسے ابلیس کا کفر اور یہود کے بارے اللہ پاک نے فرمایا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس وہ حق لے کر آئے جسے وہ پہچانتے تھے تو انہوں نے انکار کر دیا۔

[10]: کفر عناد دل سے بھی حق سمجھتا ہو زبان سے اقرار بھی کرتا ہو لیکن اسے قبول نہ کرے جیسے ابو طالب۔

کفر کی گیارہویں قسم ”کفر مفادی“ ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے:

[11]: وَأَمَّا كُفْرُ الْمَفَادِ فَهُوَ أَنْ يَصِفَ الرَّجُلُ نَفْسَهُ بِالْكَفْرِ كَلَامًا أَوْ كِتَابَةً مِنْ أَجْلِ مَصْلِحَةٍ دُنْيَوِيَّةٍ.

(تنقیحات متکلم اسلام)

ترجمہ: کسی شخص کا کسی دنیاوی مفاد کی غرض سے اپنے آپ کو کافر کہنا یا لکھنا۔

فائدہ نمبر 2:

کفر کی تمام اقسام اگرچہ آج موجود ہیں لیکن ہم کسی شخص کو کفر نفاق کی بنیاد پر منافق نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ کفر نفاق میں زبان سے اسلام کا اظہار اور دل میں کفر ہوتا ہے جسے معلوم کرنے کا واحد ذریعہ وحی الہی ہے اس لئے کفر نفاق دور نبوت کے ساتھ مختص ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ (ت 1396ھ) لکھتے ہیں:

”کیا کفر و نفاق عہد نبوی کے ساتھ مخصوص تھا یا اب بھی موجود ہیں؟ اس معاملہ میں صحیح یہ ہے کہ منافق کے نفاق کو پہچاننا اور اس کو منافق قرار دینا دو طریقوں سے ہوتا تھا ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بذریعہ وحی بتلادیا کہ فلاں شخص دل سے مسلمان نہیں منافق ہے دوسرے یہ کہ اس کے کسی قول و فعل سے کسی عقیدہ اسلام کے خلاف کوئی بات یا اسلام کی مخالفت کا کوئی عمل ظاہر اور ثابت ہو جائے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے بعد انقطاع وحی کے سبب ان کے پہچاننے کی پہلی صورت تو باقی نہ رہی مگر دوسری صورت اب بھی موجود ہے جس شخص کے کسی قول و فعل سے

اسلامی قطعی عقائد کی مخالفت یا ان پر استہزاء یا تحریف ثابت ہو جائے مگر وہ اپنے ایمان و اسلام کا مدعی بنے تو وہ منافق سمجھا جائے گا ایسے منافق کا نام قرآن کریم کی اصطلاح میں ملحد ہے، الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا (سورۃ فصلت: 40) اور حدیث میں اس کو زندیق کے نام سے موسوم کیا گیا ہے مگر چونکہ اس کا کفر دلیل سے ثابت اور واضح ہو گیا اس لئے اس کا حکم سب کفار جیسا ہو گیا الگ کوئی حکم اس کا نہیں ہے اسی لئے علماء امت نے فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد منافقین کا قضیہ ختم ہو گیا اب جو مومن نہیں وہ کافر کہلائے گا۔“

(تفسیر معارف القرآن: ج 1 ص 126 تفسیر سورۃ البقرۃ آیت 8 ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾)

### فائدہ نمبر 3:

اگر کوئی شخص خود کو کسی کافر فرقہ کی طرف منسوب کرے تو اس کو کافر ہی سمجھا جائے گا اگرچہ اسے اس کافر فرقہ کے عقائد کا علم نہ ہو جس طرح اگر کوئی شخص خود کو مسلمان کہے تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا اگرچہ اسے اسلامی عقائد کا علم نہ ہو۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

مُسْلِمٌ قَالَ: "أَنَا مُلْحِدٌ" يَكْفُرُ ، وَلَوْ قَالَ: "مَا عَلِمْتُ أَنَّهُ كُفْرٌ" لَا يُعْذَرُ بِهَذَا رَجُلٌ.

(فتاویٰ عالمگیری: ج 2 ص 279 کتاب الحدود ما يتعلّق بالحلال والحرام وكلام الفسقة والفجار)

ترجمہ: ایک مسلمان یہ کہتا ہے کہ ”میں ملحد ہوں“ تو ایسا کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر وہ یہ کہے کہ ”مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ خود کو ملحد کہنا کفر ہے“ تب بھی اس کا یہ عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

### ❖ شرائط تکفیر ❖

کسی انسان کے کافر ہونے کا فتویٰ دینا ایک نازک اور اہم ترین مرحلہ ہے اور یہ افتاء کا ایک اہم جزء ہے اس لئے فتویٰ کفر دینے والے میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔ چنانچہ فتویٰ کفر دینے میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

- [1]: فتویٰ دینے والا شخص اہل افتاء میں سے ہو۔
- [2]: فتویٰ دینے والا شخص عرف سے واقف ہو۔
- [3]: جس شخص کے بارے میں فتویٰ کفر دیا جا رہا ہے اس میں اسباب کفر میں سے کوئی سبب موجود ہو۔
- [4]: جس شخص کے بارے میں فتویٰ کفر دیا جا رہا ہے اس میں موانع کفر موجود نہ ہوں۔

(تنقیحات متکلم اسلام حفظہ اللہ)

## شرائط اہل افتاء

امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ 676ھ نے مفتی کی یہ شرائط بیان کی ہیں:

1. كَوْنُهُ مُكَلَّفًا: عاقل و بالغ ہو، (شریعت کے احکام کا مکلف ہو، نابالغ اور مجنون نہ ہو)
2. مُسْلِمًا: مسلمان ہو،
3. ثِقَّةً: ثقہ ہو (یعنی اپنے فن میں پختہ و مضبوط آدمی ہو)،
4. مَأْمُونًا: با اعتماد ہو،
5. مُتَنَزِّهًا عَنِ أَسْبَابِ الْفِسْقِ: اسباب فسق سے بچنے والا ہو،
6. وَخَوَارِمِ الْمَرْوَةِ: خلاف مروّت امور سے بچنے والا ہو،
7. فَقِيهَ النَّفْسِ: فقہی ذوق کا حامل ہو یا نفس کے مکر و فریب سے واقف ہو،
8. سَلِيمَ الذَّهْنِ: ذکاوت و فطانت والا ہو،
9. رَاصِينَ الْفِكْرِ: پختہ رائے والا ہو،
10. صَاحِبِ التَّصَرُّفِ وَالْإِسْتِنْبَاطِ: اصول و قواعد کو فروعات پر منطبق کرنے اور دلائل کی تہہ میں چھپے مسائل نکالنے کا درست ملکہ رکھنے والا ہو،
11. مُتَيَقِّظًا: بیدار مغز ہو،

(مقدمۃ المجموع شرح المہذب: 1/469)

### فائدہ:

یہ اہل افتاء کی شرائط تھیں البتہ آزاد ہونا یا غلام ہونا، مرد ہونا یا عورت ہونا، بیٹا ہونا یا نایینا ہونا، بولنے پر قادر ہونا یا نہ ہونا، لکھ سکتا یا اشارہ سے بتا سکتا شرط نہیں بلکہ ان تمام اصناف کے حامل افراد میں بھی اگر مذکورہ شرائط پائی جاتی ہوں تو وہ فتویٰ دے سکتے ہیں۔

چنانچہ امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ 676ھ لکھتے ہیں:

سَوَاءٌ فِيهِ الْحُرُّ وَالْعَبْدُ وَالْمَرْأَةُ وَالْأَعْمَى وَالْأَخْرَسُ إِذَا كَتَبَ أَوْ فَهِمَتْ إِشَارَتَهُ.

(مقدمۃ المجموع شرح المہذب: 1/469)

ترجمہ: فتویٰ دینے میں آزاد، غلام، عورت، نایینا، گونگا جب کہ وہ لکھ کر یا اشارے سے فتویٰ دے اور اس کا اشارہ سمجھ آسکتا ہو، سب برابر ہیں۔

**شبہ نمبر 1:** اگر کوئی شخص مفتی نہ ہو تو کیا وہ کسی کافر کو کافر نہ کہے؟

**جواب:** جو مفتی نہ ہو وہ کفر کا فتویٰ خود نہ لگائے البتہ کسی مفتی کے فتویٰ کفر لگانے کے بعد وہ کسی کو کافر کہے۔

**شبہ نمبر 2:** اگر کوئی شخص ضروریات دین مثلاً توحید، رسالت، قیامت کا انکار کرتا ہو تو کیا اس کو بھی عام شخص کافر نہ کہے اور اس کو کافر کہنے کے لیے مفتی کے فتویٰ کا انتظار کرے؟

**جواب:** یہ جو ہم نے کہا کہ کسی کے بارے میں فتویٰ کفر دینے کے لیے آدمی کا ”مفتی“ ہونا ضروری ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا کفر واضح نہ ہو اور اس کے کفر میں کوئی شبہ موجود ہو کہ ممکن ہے کہ اس میں ایمان کا کوئی احتمال موجود ہو تو ایسے شخص پر فتویٰ کفر صادر کرنے کے لیے ”مفتی“ ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اس کی تحقیق و تفتیش کرے۔ باقی جو شخص ضروریات دین کا انکار کرتا ہو جیسے وجود باری تعالیٰ کا انکار، نبوت کا انکار یا قیامت کا انکار کرتا ہو تو اس کے کفر میں کوئی شبہ ہی نہیں، ایسے شخص کا کفر چونکہ بالکل واضح ہے اس لیے اسے کافر کہنے کے لیے کسی مفتی کے فتویٰ کی حاجت نہیں۔

(شبہات کے جوابات از متکلم اسلام)

## معرفتِ عرف

کفر کا فتویٰ دینے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عرف، سوسائٹی اور معاشرہ کو جانتا ہو۔ بسا اوقات کوئی جملہ شریعت کی نظر میں بہت خطرناک ہوتا ہے لیکن عرف اور ماحول میں وہ لفظ کسی اور مقصد کے لئے استعمال ہوتا ہے کیونکہ عرف کی وجہ سے احکام بدل جاتے ہیں۔

علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز بن احمد ابن عابدین شامی (ت 1252ھ) لکھتے ہیں:

فَكثِيرٌ مِنَ الْأَحْكَامِ تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ لِتَغْيِيرِ عُرْفِ أَهْلِهَا.

(مجموعہ رسائل ابن عابدین: ج 2 ص 125 رسالہ نشر العرف فی بناء الأحكام علی العرف)

ترجمہ: بہت سے احکام زمانے کی تبدیلی کے باعث تبدیل ہو جاتے ہیں جس میں اس دور کے عرف کا تبدیل ہونا۔

**مثال:** غیر نبی بچے کو معصوم کہنا

ہمارا عقیدہ ہے کہ انسانوں میں انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں۔

امام اعظم امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت 150ھ فرماتے ہیں:

وَالْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلُّهُمْ مُنْزَهُونَ عَنِ الصَّغَائِرِ وَالْكَبَائِرِ وَالْكَفْرِ وَالْقَبَائِحِ.

(الفقه الاکبر: ص 3)

ترجمہ: سارے انبیاء علیہم السلام صغیرہ، کبیرہ گناہوں اور کفر اور بے ہودہ کاموں سے پاک ہوتے ہیں۔

اگر کوئی انسانوں میں سے انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کو معصوم مانے اور غیر نبی کو نبی کے برابر درجہ دے تو

وہ کافر ہو جاتا ہے لیکن ہمارے عرف میں چھوٹے بچوں کو معصوم کہہ دیا جاتا ہے۔ چونکہ کہنے والے اس کا معنی شرعی مراد نہیں

لیتے بلکہ معنی عرفی (سادہ، بھولا بھالا، ناسمجھ) مراد لیتے ہیں اس لیے بچوں کو معصوم کہنے والے کافر نہیں ہوتے۔

**فائدہ:**

نبی کو معصوم ماننے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی سے گناہ ہونے نہیں دیتے۔ جہاں تک ہمارے عرف میں چھوٹے بچے کو

معصوم کہنے کا تعلق ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ یہ بچہ ہے، اگر یہ بچہ کوئی گناہ کر بھی لے تو نابالغ ہونے کی وجہ سے اس کے گناہوں کو لکھا نہیں جاتا۔

## تکفیر کے اسباب

اختصار کے ساتھ چند ایسے اسباب ذکر کئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے بندہ ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔

### 1: انکار

ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا صراحتاً انکار کرنا۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ لکھتے ہیں:

وَرَدُّ النَّصُوصِ بِأَنْ يُنْكَرَ الْأَحْكَامَ الَّتِي دَلَّتْ عَلَيْهَا النَّصُوصُ الْقَطْعِيَّةُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ كَحَشْرِ الْأَجْسَادِ مَثَلًا كُفْرًا.

(شرح العقائد النسفية: ص 388)

ترجمہ: نصوص کو اس طرح نظر انداز کرنا کہ جن احکام کے بارے نصوص قطعیہ موجود ہیں ان احکام کا انکار کر دیا جائے تو یہ کفر ہے جیسے قیامت کے دن جسموں کے دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرنا۔

### 2: استحلال

جن امور کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے ان کو حلال سمجھنا۔ اس کے لیے دو شرطیں ہیں:

[1]: حلال سمجھنے والے کو معلوم ہو کہ یہ چیز حرام ہے

[2]: اس چیز کی حرمت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہو۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ لکھتے ہیں:

وَالِاسْتِحْلَالُ كُفْرٌ لِمَا فِيهِ مِنَ التَّكْذِيبِ الْمُنَافِي لِلتَّصْدِيقِ.

(شرح العقائد النسفية: ص 289)

ترجمہ: گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے کیونکہ یہ تصدیق کے منافی اور تکذیب کی نشانی ہے۔

### 3: استخفاف

کسی غیر معمولی چیز کو معمولی سمجھنا اور عظیم چیز کو حقیر سمجھنا۔

اس کی دو صورتیں ہیں:

[1]: جن چیزوں کو شریعتِ مطہرہ نے عزت و احترام بخشا ہے ان کی توہین و تذلیل کرنا۔

مثال: اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا، قرآن کریم کی توہین کرنا۔

[2]: شریعت کی حرام کردہ چیزوں کی حرمت کو معمولی سمجھنا اور وعیدوں کو اہمیت نہ دینا۔

**مثال:** زنا کی حرمت کو ہلکا سمجھنا، سود کی حرمت کو معمولی سمجھنا۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ لکھتے ہیں:

إِذَا كَانَ بِطَرِيقِ الْإِسْتِحْلَالِ وَالْإِسْتِخْفَافِ كَانَ كُفْرًا لِكُونِهِ عَلَامَةً لِلتَّكْذِيبِ .

(شرح العقائد النسفية: ص 277)

ترجمہ: کسی حرام کو حلال سمجھ کر اس کا ارتکاب کرنا یا شریعت کی حرام کردہ چیزوں کی حرمت کو معمولی سمجھنا (یعنی وعیدوں کو اہمیت نہ دینا) کفر ہے کیونکہ یہ تکذیب کی علامت ہے۔

#### 4: استہزاء

شرعی احکام کا مذاق اڑانا۔

**مثال:** ڈاڑھی کا مذاق اڑانا۔

امام ابو بکر احمد بن علی الجصاص الرازی رحمہ اللہ ت 370ھ لکھتے ہیں:

إِنَّ الْإِسْتِهْزَاءَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَبِشَيْئٍ مِنْ شَرَائِعِ دِينِهِ كُفْرٌ . (احکام القرآن للجصاص: تفسیر سورة التوبة آیت 65، 66)

ترجمہ: آیات اللہ کا اور دین کے امور شرعیہ (عقائد و احکام) میں سے کسی ایک امر کا استہزاء کفر ہے۔

#### فائدہ:

کسی سے دل لگی کرنے کے لئے تین لفظ استعمال ہوتے ہیں۔

(1) مزاح: ایسی دل لگی جس سے دوسرے کی تحقیر مقصود نہ ہو اور تحقیر محسوس بھی نہ ہو۔

حکم: یہ جائز بلکہ بسا اوقات مستحب ہے۔

**مثال:** امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سوریہ الترمذی (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وَادٍ نَاقَةٍ" فَقَالَ: "يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا أَصْنَعُ بِوَالِدِ النَّاقَةِ؟" فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النَّوْقَ".

(شمائل الترمذی: باب ما جاء في صفة مزاح رسول الله صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لیے جانور طلب کیا تو آپ نے فرمایا: تمہیں اونٹنی کا بچہ دیں گے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ حضرت! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑا اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

(2) مذاق: ایسی دل لگی جس سے تحقیر مقصود نہ ہو البتہ تحقیر محسوس ہو۔

حکم: یہ مکروہ و ناپسندیدہ ہے، اس سے اجتناب بہتر ہے۔

**مثال:** ایک شخص کا اپنے گھرے دوست کو ہنسی خوشی میں بھری محفل میں زد کوب کرنا، مارنا، گرانہ وغیرہ۔

(3) استہزاء: ایسی دل لگی جس سے مقصود دوسرے کی تحقیر و تذلیل ہو۔

حکم: یہ ناجائز ہے۔

مثال: کسی اہل حق شخص کو لولھا لنگڑا کہنا یا ہاتھ پاؤں کے اشارے سے اس کی نقل اتارنا۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

### 5: تاویل باطل

کسی نص یا قطعی عقیدہ میں ایسی تاویل کرنا جو دیگر نصوص قطعیہ یا اجماعی عقیدہ کے خلاف ہو۔

شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم بن وجیہ الدین محدث دہلوی (ت 1176ھ) لکھتے ہیں:

وَتَأْوِيلٌ يُصَادِمُ مَا ثَبَتَ بِقَاطِعِ الْزَّنْدَقَةِ.

(المسوی شرح الموطا: ج 2 ص 130)

ترجمہ: ایسی تاویل جو کسی ایسے عقیدے یا مسئلے کے خلاف ہو جو دلیل قطعی سے ثابت ہے ایسی تاویل زندقہ و کفر ہے۔

مثال: مرزا غلام احمد قادیانی نے ”خاتم النبیین“ کا خود تراشیدہ معنی کرتے ہوئے لکھا ہے:

”اور اس کی امت کے لیے قیامت تک مکالمہ اور مخاطبہ الہیہ کا دروازہ کبھی بند نہ ہو گا اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم

نہیں۔ ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لیے امتی ہونا لازمی ہے اور اس کی ہمت اور ہمدردی نے

امت کو ناقص حالت پر چھوڑنا نہیں چاہا اور ان پر وحی کا دروازہ جو حصول معرفت کی اصل جڑ ہے بند رہنا گوارا نہیں کیا۔ ہاں اپنی

ختم رسالت کا نشان قائم رکھنے کے لیے یہ چاہا کہ فیض وحی آپ کی پیروی کے وسیلہ سے ملے اور جو شخص امتی نہ ہو اس پر وحی الہی کا

دروازہ بند ہو۔ سو خدا نے ان معنوں سے آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا۔ لہذا قیامت تک یہ بات قائم ہوئی کہ جو شخص سچی پیروی سے

اپنا امتی ہونا ثابت نہ کرے اور آپ کی متابعت میں اپنا تمام وجود محو نہ کرے ایسا انسان قیامت تک نہ کوئی کامل وحی پاسکتا ہے اور نہ

کامل ملہم ہو سکتا ہے۔“

(روحانی خزائن: ج 22 ص 30)

## تاویل

عقائد کے بارے میں تاویل کو کافی اہمیت حاصل ہے اس لئے اس بارے چند باتیں تحریر کی جاتی ہیں۔

### تاویل کا لغوی معنی:

سید علی بن محمد بن علی الجرجانی رحمہ اللہ ت 816ھ لکھتے ہیں:  
التَّأْوِيلُ فِي الْأَصْلِ: التَّرْجِيْعُ. (التعريفات: باب التاء)

ترجمہ: تاویل کا اصلی اور لغوی معنی ہے لوٹانا۔

### تاویل کا اصطلاحی معنی:

علامہ علی بن محمد الآمدی رحمہ اللہ ت 631ھ لکھتے ہیں:  
هُوَ حَمْلُ اللَّفْظِ عَلَى غَيْرِ مَدْلُوْلِهِ الظَّاهِرِ مِنْهُ مَعَ احْتِمَالِهِ لَهُ..

(الإحكام في أصول الأحكام: ج 3 ص 59)

ترجمہ: تاویل کہتے ہیں لفظ کا ظاہری معنی چھوڑ کر کوئی اور معنی مراد لینا بشرطیکہ لفظ اس معنی کا احتمال رکھتا ہو۔

### تاویل کی قسمیں:

تاویل کی دو قسمیں ہیں:

1: التاویل الصحیح

2: التاویل الباطل

تفصیل یہ ہے:

### [1]: التاویل الصحیح

کسی نص کا ایسا معنی مراد لینا جو دیگر نصوص اور اجماع امت کے خلاف بھی نہ ہو اور نص میں اس معنی کا احتمال بھی ہو یہ

تاویل جائز و مقبول ہے۔

علامہ علی بن محمد الآمدی رحمہ اللہ ت 631ھ لکھتے ہیں:

وَأَمَّا التَّأْوِيلُ الْمَقْبُولُ الصَّحِيْحُ فَهُوَ حَمْلُ اللَّفْظِ عَلَى غَيْرِ مَدْلُوْلِهِ الظَّاهِرِ مِنْهُ مَعَ احْتِمَالِهِ لَهُ بِدَلِيْلٍ يَعْضُدُهُ.

(الإحكام في أصول الأحكام: ج 3 ص 59)

ترجمہ: جائز اور مقبول تاویل وہ ہے جس میں لفظ کا ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرا ایسا معنی مراد لیا جائے جس معنی کا یہ لفظ احتمال بھی

رکھتا ہو اور اس معنی کی تائید میں کوئی دلیل بھی موجود ہو۔

سید علی بن محمد بن علی الجرجانی رحمہ اللہ ت 816ھ جائز تاویل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:  
صَرَفُ اللَّفْظِ عَن مَعْنَاهُ الظَّاهِرِ إِلَى مَعْنَى يَحْتَمِلُهُ إِذَا كَانَ الْمُحْتَمَلُ الَّذِي يَرَاهُ مُوَافِقًا  
لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ.

(التعريفات: باب التاء)

ترجمہ: لفظ کا ظاہری معنی و مفہوم مراد لینے کی بجائے ایسا معنی مراد لینا جس کا یہ لفظ احتمال بھی رکھتا ہو اور دوسرا محتمل معنی قرآن و سنت کے موافق ہو۔

مثال:

سید علی بن محمد بن علی الجرجانی رحمہ اللہ ت 816ھ لکھتے ہیں:  
مِثْلُ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ إِنَّ أَرَادَ بِهِ إِخْرَاجَ الطَّيْرِ مِنَ الْبَيْضَةِ كَانَ  
تَفْسِيرًا وَإِنْ أَرَادَ بِهِ إِخْرَاجَ الْمُؤْمِنِ مِنَ الْكَافِرِ أَوْ الْعَالِمِ مِنَ الْجَاهِلِ كَانَ تَأْوِيلًا.

(التعريفات: باب التاء)

ترجمہ: جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ کہ اللہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے کا معنی یہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ پرندے کو انڈے سے نکالتا ہے تو یہ اس آیت کی تفسیر کہلائے گی اور اگر معنی یہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو کافر سے یا عالم کو جاہل سے پیدا کرتا ہے تو یہ تاویل کہلائے گی۔

[2]: التاويل الباطل

نص کا ایسا معنی مراد لینا جو دیگر نصوص قطعہ کے خلاف ہو اور نص اس معنی کا احتمال بھی نہ رکھتی ہو یہ تاویل باطل اور ناجائز ہے۔

شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین محدث دہلوی (ت 1176ھ) لکھتے ہیں:  
وَتَأْوِيلٌ يُصَادِمٌ مَا نَبَتَ بِقَاطِعٍ فَذَلِكَ الزَّنْدَقَةُ.

(المسوّی شرح الموطا: ج 2 ص 130)

ترجمہ: ایسی تاویل جو کسی ایسے عقیدے یا مسئلے کے خلاف ہو جو دلیل قطعی سے ثابت ہے ایسی تاویل زندقہ و کفر ہے۔

فائدہ:

دلائل قطعہ تین ہیں:

1: قرآن کریم کی غیر مؤول آیات

2: احادیث متواترہ

3: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قولی اجماع

مثال:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ت 1176ھ اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:  
 قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَلَكِنْ مَعْنَى هَذَا الْكَلَامِ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَنْ يُسَمَّى بَعْدَهُ أَحَدٌ بِالنَّبِيِّ.

(المسوّی شرح الموطأ: ج 2 ص 130)

ترجمہ: کوئی شخص یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کا نام ”نبی“ نہیں رکھ سکتے (تو یہ شخص زندیق ہے)

فائدہ:

”تاویل باطل“ کو تاویل کہنا ایسے ہی ہے جیسے من گھڑت بات کو ”حدیث موضوع“ کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ موضوع بات ”حدیث“ نہیں ہوتی لیکن اس پر حدیث کا لفظ اس لیے بول دیا جاتا ہے کیونکہ اسے گھڑ کر پیش کرنے والا اسے ”حدیث“ کہہ کر پیش کرتا ہے تو ”حدیث موضوع“ کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس شخص نے جو بات حدیث کے نام پر پیش کی ہے یہ بناوٹی اور گھڑی ہوئی بات ہے۔ بالکل اسی طرح کسی نص کا غلط مفہوم و مطلب بیان کرنے والا شخص اپنی اس توجیہ کو ”تاویل“ کا نام دے کر پیش کرتا ہے اس لیے اس کا رد کرنے کے لیے ”تاویل باطل“ کا لفظ کہہ دیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس شخص نے جو توجیہ ”تاویل“ کے نام پر پیش کی ہے یہ باطل اور غلط توجیہ ہے۔

شرائط تاویل:**1: لغوی اور ظاہری معنی مراد لینا متعذر ہو:**

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ (ت 792ھ) لکھتے ہیں:  
 إِنَّمَا يَجِبُ التَّأْوِيلُ عِنْدَ تَعَدُّرِ الظَّاهِرِ.

(شرح المقاصد فی علم الکلام: ج 2 ص 213)

ترجمہ: ظاہری معنی لینا متعذر ہونے کی صورت میں نصوص کی تاویل کرنا واجب ہے۔

مثال:

قرآن کریم کی وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے وہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو مخلوق کے لئے بطور عضو استعمال ہوتے ہیں مثلاً، عین، ساق وغیرہ اب یہاں ان کا ظاہری معنی مراد لینا متعذر ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے یا تو اسے متشابہ قرار دیں گے اور تاویل نہیں کریں گے۔ اور یا اس میں مناسب تاویل کرتے ہوئے ایسا معنی کریں گے جو اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات کے مخالف نہیں ہوگا۔

مثال:

﴿قَالَ يَا بَلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيْدِي ۖ أَسْتَكْبِرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ (٤٥)﴾ ❁

(سورۃ ص: 75)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! جس کو میں نے اپنے ید سے بنایا ہے اسے سجدہ کرنے سے تمہیں کس چیز نے روکا تھا؟ کیا تو نے تکبر کیا ہے یا تو ہے ہی بڑا؟

یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے ”ید“ کا ظاہری معنی ”ہاتھ“ لینا متعذر ہے کیونکہ ”ید“ کا ظاہری معنی ”ہاتھ“ ایک عضو ہے اور عضو؛ جسم کا ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔ اس لیے اس کا معنی ”قدرت“ کیا گیا ہے۔

﴿ وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِيْنَ ظَلَمْتُمْ اِنَّهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴾ (۳۷)

(سورۃ ہود: 37)

ترجمہ: ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ اور ظالم لوگوں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات مت کرو۔ یہ لوگ اب غرق ہی ہوں گے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے ”عین“ کا ظاہری معنی ”آنکھ“ لینا متعذر ہے کیونکہ ”عین“ کا ظاہری معنی ”آنکھ“ ایک عضو ہے اور عضو؛ جسم کا ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

اس لیے اس کا معنی ”نگرانی“ کیا گیا ہے۔

﴿ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيعُوْنَ ﴾ (۴۲)

(سورۃ القلم: 42)

ترجمہ: جس دن ساق کو کھول دیا جائے گا اور ان لوگوں کو سجدے کے لیے بلایا جائے گا لیکن وہ سجدہ کر نہیں سکیں گے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے ”ساق“ کا ظاہری معنی ”پنڈلی“ لینا متعذر ہے کیونکہ ”ساق“ کا ظاہری معنی ”پنڈلی“ ایک عضو ہے اور عضو؛ جسم کا ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

اس لیے اس کا معنی ”شدت“ کیا گیا ہے۔

## 2: ظاہری معنی کے خلاف دلیل یقینی موجود ہو:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

(وَالنُّصُوصُ) مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ (تُحْمَلُ عَلَى ظَوَاهِرِهَا) مَا لَمْ يَصْرَفْ عَنْهَا دَلِيلٌ قَطْعِيٌّ  
كَمَا فِي الْآيَاتِ الَّتِي تُشْعِرُ بِظَوَاهِرِهَا بِالْجِهَةِ وَالْجِسْمِيَّةِ.

(شرح العقائد النسفية: ص 167)

ترجمہ: کتاب و سنت کے نصوص کا ظاہری معنی مراد لیا جائے گا جب تک کوئی ایسی دلیل قطعی موجود نہ ہو جو اس کے ظاہری معنی چھوڑنے کا سبب بنے جیسے وہ آیات جن سے بظاہر اللہ تعالیٰ کے لئے خاص جہت اور جسم ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ:

ظاہری معنی سے عدول کا سبب بننے والی دلیل تین قسم کی ہو سکتی ہے:

- 1: نص
- 2: اجماع
- 3: عقلی قطعی

چنانچہ مولانا عبدالعزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ 1239ھ لکھتے ہیں:

(تُحْمَلُ عَلَى ظَوَاهِرِهَا) أَي عَلَى الْمَعَانِي الظَّاهِرَةِ بِحَسَبِ الْوَضْعِ اللُّغَوِيِّ الشَّائِعِ فِي الْعَرَبِ وَ الْوَضْعِ الشَّرْعِيِّ الْمَشْهُورِ فِي أَهْلِ الْإِسْلَامِ (مَا لَمْ يُصْرَفَ عَنْهَا) أَي عَنِ الظَّوَاهِرِ (دَلِيلٌ قَطْعِيٌّ) مِنْ بُرْهَانٍ عَقْلِيٍّ أَوْ إِجْمَاعٍ أَوْ نَصٍّ قَاطِعٍ.

(النبراس شرح شرح العقائد: ص 337)

ترجمہ: (قرآن و سنت کی) نصوص کا ظاہری معانی مراد لیا جائے گا اور ظاہری معنی سے مراد وہ معنی ہے جو لغت کے اعتبار سے عرب میں معروف ہے اور وہ معنی ہے جو اصطلاح شرعی کے اعتبار سے اہل اسلام میں مشہور ہے۔ ہاں جب ظاہری معنی کے خلاف دلیل قطعی یعنی عقلی قطعی دلیل یا اجماع یا نص موجود ہو تو ظاہری معنی کو ترک کر دیا جائے گا۔

اشکال:

علامہ عبدالعزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ”دلیل عقلی“ بھی ”دلائل قطعیہ“ میں شامل ہے جبکہ آپ نے دلیل قطعی صرف ان تین دلیلوں کو شمار ہے:

1: قرآن کریم کی غیر مؤول آیات

2: احادیث متواترہ

3: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قولی اجماع

آپ کی بات اور علامہ عبدالعزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ کی بات میں تضاد ہے۔

جواب:

ہم نے ان تین دلیلوں کو ”دلائل قطعیہ“ اس معنی میں کہا ہے کہ اگر اسلام کا کوئی عقیدہ ان تین دلائل میں سے کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو اس کا ماننا لازم ہے اور اس کا انکار کفر ہے جبکہ کوئی عقیدہ اگر صرف ”دلیل عقلی“ سے ثابت ہو رہا ہو (جس کے مؤید دلائل نقلیہ نہ ہوں) تو اس کا انکار کفر نہیں ہے۔ اس لیے ”دلیل عقلی“ اس معنی میں (کہ اس سے ثابت شدہ عقیدہ کا انکار کفر ہو) دلائل قطعیہ میں شامل نہیں۔

اور علامہ عبدالعزیز پر ہاڑوی رحمہ اللہ نے ”دلیل عقلی“ کو جو دلیل قطعی کہا ہے تو اس کی دو جہیں ہیں:

- 1: یہ ایسی دلیل عقلی ہوگی جس کی مؤید دلیل نقلی بھی ہوگی۔
  - 2: نص کے ظاہری معنی سے عدول کرنے کے لیے چونکہ دلیل یقینی ضروری ہوتی ہے اور یہ ”یقین“ دلیل عقلی میں بھی پایا جاتا ہے اس لیے یہ اس معنی میں قطعی (یعنی یقینی) ہے۔
- لہذا دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔

### نص کی مثال:

﴿وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُولُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾

(سورۃ البقرہ: 115)

ترجمہ: مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، تم جس طرف رخ کرو ادھر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔  
اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ”وجہ“ کا لفظ استعمال ہوا جس کا ظاہری اور اصلی معنی چہرہ ہے لیکن یہ معنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مراد لینا درست نہیں اس لئے کہ یہ معنی نصوص کے خلاف ہے۔

﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾

(سورۃ اخلاص: 2)

ترجمہ: اللہ بے نیاز ہے۔

امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمہ اللہ ص 710ھ فرماتے ہیں:

[الَّذِي لَا يَحْتَأْجُ إِلَى أَحَدٍ وَ يَحْتَأْجُ إِلَيْهِمْ كُلُّ أَحَدٍ.]

(تفسیر المدارک للامام النسفی ج 2 ص 842 تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد)

ترجمہ: ”صمد“ اس ذات کو کہتے ہیں جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

اللہ تعالیٰ موجود ہونے میں جسم کے، سننے میں کان کے، دیکھنے میں آنکھ کے اور پکڑنے میں ہاتھ کے محتاج نہیں۔ لہذا اللہ

تعالیٰ جسم اور اعضاء جسم سے پاک ہیں۔

اس لئے اس آیت کا ظاہری معنی مراد لینے کی بجائے اس میں مناسب تاویل کریں گے کہ یہاں ”وجہ“ کا معنی چہرہ نہیں

بلکہ ”ذات“ ہے۔

### اجماع کی مثال:

﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أََمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾

(سورۃ البقرہ: آیت 28)

ترجمہ: تم اللہ کا کیسے انکار کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اللہ نے تمہیں زندگی دی پھر تمہیں موت دے گا پھر حیات دے گا پھر تم

اللہ کی طرف لوٹائے جاو گے۔

اس آیت سے بظاہر دو موتیں ثابت ہوتی ہیں: ایک موت دنیا میں آنے سے پہلے اور دوسری دنیوی زندگی مکمل ہونے کے بعد اور اس آیت سے بظاہر دو حیاتیں ثابت ہوتی ہیں: ایک دنیا والی اور دوسری آخرت والی۔ بظاہر اس آیت میں قبر کی حیات کی نفی ہوتی ہے اس لئے کہ اگر قبر کی زندگی مانی جائے تو زندگیاں تین بن جاتی ہیں۔ لیکن یہ معنی وہ ہے اجماع امت کے خلاف ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ التفازانی (ت 791ھ) فرماتے ہیں:

انْفَقَ أَهْلُ الْحَقِّ عَلَى أَنَّ اللَّهَ يُعِيدُ إِلَى الْمَيِّتِ فِي الْقَبْرِ نَوْعَ حَيَاةٍ قَدَرًا مَيِّتًا لَمْ يَتَلَذَّذْ وَيَشْهَدْ بِذَلِكَ الْكِتَابُ وَالْأَحْبَارُ وَالْأَنْبَاءُ.

(شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج 2 ص 222)

ترجمہ: اہل حق کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت کو اتنی حیات عطا فرماتا ہے جس سے وہ ثواب و عذاب کو محسوس کرتی ہے، اس عقیدہ پہ قرآنی آیات اور احادیث و آثار موجود ہیں۔

سلطان الحدیث نور الدین علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری ت 1014ھ فرماتے ہیں:

وَاعْلَمُوا! أَنَّ أَهْلَ الْحَقِّ اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ اللَّهَ يَخْلُقُ فِي الْمَيِّتِ نَوْعَ حَيَاةٍ فِي الْقَبْرِ قَدَرًا مَيِّتًا لَمْ يَتَلَذَّذْ.

(شرح الفقه الاکبر: ص 121)

ترجمہ: اہل حق کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ مرنے والے کو اتنی حیات عطا فرماتی ہے کہ اگر نیک ہو تو ثواب اور اگر بدکار ہو تو عذاب کو محسوس کرتا ہے۔

اس لئے اس آیت میں مناسب تاویل کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں:

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے ایسی زندگی جس میں حیات کے آثار نظر آئیں اور وہ حیات کامل اور مستقل ہو وہ دو ہیں ایک دنیا کی دوسری آخرت کی۔ رہی قبر کی زندگی تو یہ آخرت کی زندگی کا مقدمہ ہے اور یہ ایسی مخفی حیات ہے جو کامل نہیں بلکہ نوع من الحیاة ہے جس میں میت یا اجزاء میت سے روح کا صرف اتنا تعلق رہتا ہے جس سے میت ثواب یا عذاب کو محسوس کرتی ہے۔ قبر کی زندگی کوئی مستقل زندگی نہیں جس طرح ماں کے پیٹ میں ملنے والی زندگی مستقل نہیں بلکہ دنیاوی زندگی کا مقدمہ ہے۔ ان آیات میں کلی اور ظاہری حیاتوں کا تذکرہ ہے۔

**دلیل عقلی کی مثال:**

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾

(سورۃ طہ: 5)

ترجمہ: رحمن عرش پر مستوی ہوا۔

اس آیت سے بظاہر اللہ پاک کا حقیقتاً عرش پر ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ معنی مراد لینا مشکل ہے اس لئے کہ اس کے خلاف قطعی عقلی دلیل موجود ہے وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر حقیقتاً مانیں تو حقیقی وجود کے ساتھ کسی چیز پر ہونا یہ خاصیت جسم

کی ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں کیونکہ ہر جسم مرکب ہوتا ہے اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہیں۔  
اس لئے اس میں مناسب تاویل کریں گے چنانچہ ہم کہتے ہیں یہاں استواء علی العرش سے مراد ”اللہ تعالیٰ کا عرش پر غالب ہونا ہے۔“

چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ ت 256ھ فرماتے ہیں:  
وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿اسْتَوَى﴾ عَلَا عَلَى الْعَرْشِ.

(صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء)

ترجمہ: امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: استواء علی العرش کا معنی اللہ تعالیٰ کا عرش پر غالب ہونا ہے۔

فائدہ:

اللہ تعالیٰ کو ذات کے اعتبار سے صرف عرش پر ماننا ایسی دلیل عقلی کے خلاف ہے جس کی مؤید دلیل نقلی بھی موجود ہے۔ جیسے:

﴿وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُولُوا فَتَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾

(سورۃ البقرہ: 115)

ترجمہ: مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جس طرف پھر جاؤ ادھر اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔

**3: لفظ میں تاویل کا احتمال ہو:**

حقیقی معنی کے ساتھ ساتھ دوسرا معنی اس وقت مراد لیا جاسکتا ہے جب لفظ اس معنی کا احتمال بھی رکھتا ہو۔

علامہ علی بن محمد الآدمی رحمہ اللہ ت 631ھ لکھتے ہیں:

وَأَمَّا التَّأْوِيلُ الْمَقْبُولُ الصَّحِيحُ فَهُوَ حَمْلُ اللَّفْظِ عَلَى غَيْرِ مَذْلُوقِهِ الظَّاهِرِ مِنْهُ مَعَ اِحْتِمَالِهِ لَهُ بِدَلِيلٍ يَعْضُدُّهُ.

(الإحكام في أصول الأحكام: ج 3 ص 59)

ترجمہ: جائز اور مقبول تاویل وہ ہے جس میں لفظ کا ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرا ایسا معنی مراد لیا جائے جس معنی کا یہ لفظ احتمال بھی رکھتا ہو اور اس معنی کی تائید میں کوئی دلیل بھی موجود ہو۔

**مثال:**

سید علی بن محمد بن علی الجرجانی رحمہ اللہ ت 816ھ لکھتے ہیں:

مِثْلُ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ إِنَّ أَرَادَ بِهِ إِخْرَاجَ الطَّيْرِ مِنَ الْبَيْضَةِ كَانَ تَفْسِيرًا وَإِنْ أَرَادَ بِهِ إِخْرَاجَ الْمُؤْمِنِ مِنَ الْكَافِرِ أَوْ الْعَالِمِ مِنَ الْجَاهِلِ كَانَ تَأْوِيلًا.

(التعريفات: باب التاء)

ترجمہ: جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ کہ اللہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے کا معنی یہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ پرندے کو انڈے سے نکالتا ہے تو یہ اس آیت کی ”تفسیر“ کہلائے گی اور اگر معنی یہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو کافر سے یا عالم

کو جاہل سے پیدا کرتا ہے تو یہ ”تاویل“ کہلائے گی۔

فائدہ:

اس مثال میں زندہ سے مؤمن اور مردہ سے کافر مراد لینے پر دلیل یہ آیت ہے:  
﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ﴾

(سورۃ فاطر: 22)

ترجمہ: زندہ لوگ اور مردہ لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔

اس آیت میں مسلمان کو ”زندہ“ کہا گیا ہے اور کافر کو ”مردہ“۔

چنانچہ امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی (ت 606ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:  
ثُمَّ قَالَ تَعَالَى: ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ﴾ مَثَلًا آخَرَ فِي حَقِّ الْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ.  
(التفسیر الکبیر للرازی: ج 26 ص 15 تحت قوله تعالى وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ)

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں مؤمن اور کافر کی ایک دوسری مثال دی ہے۔

اسی طرح زندہ سے عالم اور مردہ سے جاہل مراد لینے پر دلیل یہ حدیث مبارک ہے:

چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ  
وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ رَبَّهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ."

(صحیح البخاری: کتاب الدعوات باب فضل ذكر الله عز وجل)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے زندہ جیسی ہے اور اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا مردہ جیسی ہے۔

اس حدیث میں ذکر کرنے والے کو ”زندہ“ اور ذکر نہ کرنے والے کو ”مردہ“ کہا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اہل علم کو اہل

ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَسئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (٤٣)

(سورۃ النحل: 43)

ترجمہ: اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر (یعنی اہل علم) سے پوچھ لو۔

اس لیے حدیث مذکور میں ذکر کرنے والے سے ”عالم“ مراد لینا اور اس کے تقابلیں میں ذکر نہ کرنے والے سے ”جاہل“

مراد لینا درست ہے۔

## 4: مؤول اہل ہو:

یعنی تاویل کرنے والا قرآن کریم، حدیث مبارک اور عربی لغت، زبان کے محاورات سے واقف ہو۔

علامہ علی بن محمد الآمدی رحمہ اللہ ت 631ھ لکھتے ہیں:

وَشَرْوُطُهُ أَنْ يَكُونَ النَّاطِرُ الْمُتَأَوَّلُ أَهْلًا لِذَلِكَ.

(الإحكام في أصول الأحكام: ج 3 ص 60)

ترجمہ: تاویل کے جائز ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ کتاب و سنت کو دیکھنے والا اور تاویل کرنے والا تاویل کا اہل ہو۔

**فائدہ:** مؤول کے اہل ہونے کا معنی یہ ہے کہ تفسیر کے لیے جن پندرہ علوم کی ضرورت ہے یہ شخص ان علوم کا حامل ہو۔ وہ پندرہ

علوم یہ ہیں:

[1]: لغت	[2]: نحو	[3]: صرف	[4]: اشتقاق
[5]: معانی	[6]: بیان	[7]: بدیع	[8]: قرأت
[9]: عقائد	[10]: اصول فقہ	[11]: اسباب نزول	[12]: بناخ و منسوخ
[13]: فقہ	[14]: احادیث	[15]: علم لدنی	

ان علوم کی تفصیل بندہ کی مرتب کردہ فائل ”اصول تفسیر“ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

## 5: تاویل ضروریات دین میں نہ ہو:

دین کے وہ بنیادی عقائد و احکام جو ہر کسی کو معلوم ہوں اور ان کا معنی و مفہوم متواتر ہو تو اس میں تاویل کرنا درست نہیں

خاتم المحدثین علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (ت 1352ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ التَّصْرُفَ فِي ضَرُورِيَّاتِ الدِّينِ وَالتَّأْوِيلَ فِيهَا وَتَحْوِيلَهَا إِلَى غَيْرِ مَاكَانَتْ عَلَيْهِ وَإِخْرَاجَهَا عَنْ صُورَةِ مَا تَوَاتَرَتْ عَلَيْهِ كُفْرٌ.

(أكفار المحدثين: ص 73)

ترجمہ: ضروریات دین میں بے جا تصرف کرنا، ان کی تاویل کرنا، ان (کا غلط معنی بیان کر کے اس) کی صورت بگاڑنا اور ان کا جو مطلب امت تو اتر سے سمجھتی چلی آرہی ہو، اسے ختم کرنا کفر ہے۔

**مثال:**

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور یہ عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے

اب کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مان کر اس میں ظلی، بروزی، تشریحی وغیر تشریحی کی تاویل کر کے کسی قسم کی

نئی نبوت کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ کافر ہوگا۔

## عدم تکفیر کے اسباب

جس شخص پر کفر کا فتویٰ لگایا جا رہا ہے ضروری ہے کہ اس کی بات یا عمل میں موانع کفر موجود نہ ہوں۔ اگر اس شخص میں موانع کفر موجود ہوں تو ایسے شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

یہاں موانع تکفیر ذکر کیے جاتے ہیں:

### 1: احتمال

اگر کوئی مومن ایسا جملہ یا کلمہ کہدے جس میں کئی احتمالات ہوں، ان میں اکثر احتمالات کفریہ اور کوئی ایک احتمال ایمان کا ہو تو اس کے بارے میں اچھا گمان رکھتے ہوئے اس کے قول میں تاویل کر کے اسے کفر سے بچانے کی کوشش کی جائے گی۔

علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی (ت 970ھ) فرماتے ہیں:

"وَفِي الْخُلَاصَةِ وَغَيْرِهَا إِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ وَجُوهٌ تُوجِبُ التَّكْفِيرَ وَوَجْهٌ وَاحِدٌ يَمْنَعُ التَّكْفِيرَ فَعَلَى الْمُفْتِي أَنْ يَمِيلَ إِلَى الْوَجْهِ الَّذِي يَمْنَعُ التَّكْفِيرَ تَحْسِينًا لِلظَّنِّ بِالْمُسْلِمِ زَادَ فِي الْبَرَازِيَةِ إِلَّا إِذَا صَرَخَ بِإِرَادَةِ مُوجِبِ الْكُفْرِ فَلَا يَنْفَعُهُ التَّأْوِيلُ حِينَئِذٍ"

(البحر الرائق شرح كنز الدقائق: باب احكام المرتدين)

ترجمہ: خلاصۃ الفتاویٰ اور دیگر کتب میں ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کئی احتمال کفر کے اور ایک احتمال ایمان کا ہو تو مفتی کو چاہیے ایمان والے احتمال کو لے (کفر کا فتویٰ نہ دے) اس لئے کہ مسلمان کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے۔ بزاز یہ میں یہ اضافہ ہے کہ اگر قائل خود ہی کفر والے احتمال کو متعین کر دے تو پھر کسی کی تاویل اسے کفر سے نہیں بچا سکتی۔

### مثال:

امام محمد بن یوسف صالحی دمشقی شافعی ت 942ھ امام اعظم ابو حنیفہ ت 150ھ کے بارے لکھتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا قَصَدَ أَبَا حَنِيفَةَ فَقَالَ:

ایک شخص جو امام صاحب سے بغض رکھتا تھا، آپ کی مجلس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ

مَا نَقُولُ فِي رَجُلٍ لَا يَرْجُو الْجَنَّةَ، وَلَا يَخَافُ مِنَ النَّارِ، وَلَا يَخَافُ اللَّهَ تَعَالَى، وَيَأْكُلُ الْمَيْتَةَ، وَيُصَلِّي بِلَا رُكُوعٍ وَلَا سُجُودٍ، وَيُشْهَدُ بِمَا لَا يَرَى، وَيُبْغِضُ الْحَقَّ، وَيُحِبُّ الْفِتْنَةَ، وَيَفِرُّ مِنَ الرَّحْمَةِ، وَيُصَدِّقُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى؟

سائل: ایک شخص خود کو مسلمان ظاہر کرتا ہے مگر نہ توجنت کی خواہش رکھتا ہے اور نہ ہی جہنم سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا، مردہ کھاتا ہے، بغیر رکوع اور سجدے کے نماز پڑھتا ہے، اس چیز کی گواہی دیتا ہے جسے اس نے دیکھا بھی نہیں، حق بات کو پسند نہیں کرتا، فتنہ سے محبت کرتا ہے، اللہ کی رحمت سے دور بھاگتا ہے اور یہود و نصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے۔ تو ایسے آدمی

کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

فَقَالَ لَهُ أَبُو حَنِيفَةَ - وَكَانَ يَعْرِفُهُ شَدِيدَ الْبُغْضِ لَهُ - يَا فُلَانُ! سَأَلْتَنِي عَنْ هَذِهِ، وَوَأَنَّكَ بِهَا

عَلِمَ؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو علم تھا کہ یہ شخص ان سے بہت زیادہ بغض رکھتا ہے۔ تو آپ نے اس آدمی سے کہا:

امام ابو حنیفہ: اے فلاں آدمی! تو نے مجھ سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھا ہے حالانکہ تو ان باتوں کا مطلب جانتا ہے۔  
فَقَالَ الرَّجُلُ: لَا وَلَكِنْ لَمْ أَجِدْ شَيْئًا هُوَ أَشْنَعُ مِنْ هَذَا فَسَأَلْتُكَ عَنْهُ.

سائل: نہیں! مجھے اس کا علم نہیں ہے، میرے خیال میں تو اس سے زیادہ برا کوئی شخص نہیں ہو گا۔ تو میں مزید تسلی کے لئے آپ سے سوال کر رہا ہوں۔

فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ لِأَصْحَابِهِ: مَا تَقُولُونَ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے شاگردوں سے پوچھا،

امام ابو حنیفہ: اس شخص کے بارے تمہاری کیا رائے ہے؟

قَالُوا: شَرُّ رَجُلٍ، هَذِهِ صِفَاتُ كَافِرٍ.

شاگردانِ ابی حنیفہ: جس شخص میں یہ باتیں موجود ہوں وہ تو بہت ہی برا انسان ہے، یہ تو کافر کی صفات ہیں۔

فَتَبَسَّمَ أَبُو حَنِيفَةَ وَقَالَ لِأَصْحَابِهِ: هُوَ مِنْ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ تَعَالَى حَقًّا.

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مسکرائے اور اپنے شاگردوں سے فرمایا: یہ شخص اللہ کا ولی ہے۔

ثُمَّ قَالَ لِلرَّجُلِ: إِنَّ أُنَا أَحْبَبْتُكَ أَنَّهُ مِنْ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ حَقًّا تَكْفُفْ عَنِّي شَرَّ لِسَانِكَ، وَلَا تُمْلِيْ عَلَى الْحَفْظَةِ مَا يَضُرُّكَ؟

پھر امام صاحب نے اس سائل کو کہا:

امام ابو حنیفہ: اگر میں تیرے سامنے یہ بات ثابت کر دوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے ہے تو کیا تم اپنی زبان کو مجھے

تکلیف پہنچانے سے روک لو گے اور تم اپنا نامہ اعمال ان چیزوں سے نہیں بھرو گے جو تجھے نقصان پہنچاتی ہیں؟

قَالَ: نَعَمْ!

سائل: جی بالکل۔

فَقَالَ: أَمَّا قَوْلُكَ "إِنَّهُ لَا يَزُجُو الْجَنَّةَ، وَلَا يَخَافُ مِنَ النَّارِ" فَإِنَّهُ يَزُجُو رَبَّ الْجَنَّةِ وَيَخَافُ رَبَّ النَّارِ،

تمہارا یہ کہنا کہ ”وہ شخص جنت کی خواہش نہیں رکھتا اور جہنم سے نہیں ڈرتا“ اس کا مطلب ہے کہ یہ شخص جنت کے بجائے جنت کے مالک کو چاہتا ہے اور جہنم سے ڈرنے کے بجائے جہنم کے مالک سے ڈرتا ہے۔

وَقَوْلُكَ "لَا يَخَافُ اللَّهَ" فَإِنَّهُ لَا يَخَافُ اللَّهَ تَعَالَى أَنْ يَجُوزَ عَلَيْهِ ... قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ﴾،

تمہارا یہ کہنا کہ ”وہ شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا“ تو اس کا مطلب ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ سے اس بات کا خوف نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ظلم کرے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ﴾ کہ تیرا رب اپنے بندوں پر ظلم

کرنے والا نہیں ہے۔

وَقَوْلِكَ: "يَأْكُلُ الْمَيْتَةَ" فَهُوَ أَكَلُ السَّمَكِ،

تمہارا یہ کہنا کہ ”وہ شخص مردار کھاتا ہے“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص مچھلی کھاتا ہے جسے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے  
وَقَوْلِكَ: "يُصَلِّي بِلَا رُكُوعٍ وَلَا سُجُودٍ" أَرَادَ صَلَاةَ الْجَنَازَةِ - وَ فِي رِوَايَةٍ - أَرَادَ الصَّلَاةَ  
عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

تمہارا یہ کہنا کہ ”وہ شخص بغیر رکوع اور سجدہ کے نماز پڑھتا ہے“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جنازہ کی نماز پڑھتا ہے جس میں رکوع اور سجدہ نہیں ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے۔

وَقَوْلِكَ: " يُشْهَدُ بِمَا لَمْ يَرَهُ " فَهُوَ شَهَادَةٌ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ،

تمہارا یہ کہنا کہ ”وہ شخص بغیر دیکھے گواہی دیتا ہے“ تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

وَقَوْلِكَ: "يُبْغِضُ الْحَقَّ" فَهُوَ يُحِبُّ الْبَقَاءَ حَتَّى يُطِيعَ اللَّهَ تَعَالَى يُبْغِضُ الْمَوْتَ وَهُوَ الْحَقُّ،  
قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾

تمہارا یہ کہنا کہ ”وہ شخص حق کو مبغوض رکھتا ہے“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص زندگی کو پسند کرتا ہے تاکہ اللہ کی عبادت زیادہ سے زیادہ کر سکے اور موت کو ناپسند کرتا ہے کیونکہ موت برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾ کہ موت کی سختی تو ضرور آکر رہے گی۔

وَقَوْلِكَ: "يُحِبُّ الْفِتْنَةَ" أَرَادَ أَنَّهُ يُحِبُّ الْمَالَ وَالْوَلَدَ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾

تمہارا یہ کہنا کہ ”وہ شخص فتنہ کو پسند کرتا ہے“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مال اور اولاد سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے فتنہ (آزمائش) ہے۔

وَقَوْلِكَ: "يَفِرُّ مِنَ الرَّحْمَةِ" أَرَادَ أَنْ يَفِرَّ مِنَ الْمَطَرِ،

تمہارا یہ کہنا کہ ”وہ شخص رحمت سے بھاگتا ہے“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بارش سے بھاگتا ہے کیونکہ بارش اللہ کی رحمت ہے۔

وَقَوْلِكَ: "يُصَدِّقُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى" أَرَادَ قَوْلَهُ تَعَالَى: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَى عَلَى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ﴾

تمہارا یہ کہنا کہ ”وہ یہود و نصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے“ تو اس کا مطلب ہے کہ وہ یہود کے اس قول ”لَيْسَتِ النَّصَارَى عَلَى شَيْءٍ“ اور نصاریٰ کے اس قول ”لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ“ کی تصدیق کرتا ہے جو کہ عین ایمان ہے۔

فَقَامَ الرَّجُلُ وَقَبَّلَ رَأْسَهُ وَقَالَ: أَنَشْهَدُ أَنَّكَ عَلَى الْحَقِّ.

یہ سن کر وہ آدمی کھڑا ہوا اور امام صاحب کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے حق فرمایا۔

(عقود الجمان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان: ص 246)

## ایک شبہ کا ازالہ:

اس طرح کی عبارات سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی شخص میں ننانوے وجوہ کفر ہوں اور ایک وجہ ایمان کی ہو تو بھی اس کو مسلمان سمجھا جائے گا حالانکہ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ کسی شخص میں ننانوے وجوہ ایمان کی ہوں اور ایک ایسا جملہ ہو جس میں ننانوے احتمال کفر کے ایک ایمان کا ہو تو اسے کافر نہ کہا جائے بلکہ ایمان والے احتمال کو ترجیح دی جائے گی۔

امام زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم المصری الحنفی (ت 970ھ) فرماتے ہیں:

"وَفِي الْخُلَاصَةِ وَغَيْرِهَا إِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ وَجُوهٌ تُوجِبُ التَّكْفِيرَ وَوَجْهٌ وَاحِدٌ يَمْنَعُ التَّكْفِيرَ فَعَلَى الْمُفْتِي أَنْ يَمِيلَ إِلَى الْوَجْهِ الَّذِي يَمْنَعُ التَّكْفِيرَ تَحْسِينًا لِلظَّنِّ بِالْمُسْلِمِ . زَادَ فِي الْبَرَازِيَّةِ: إِلَّا إِذَا صَرَخَ بِإِرَادَةِ مُوجِبِ الْكُفْرِ فَلَا يَنْفَعُهُ التَّأْوِيلُ حِينَئِذٍ.

(البحر الرائق لابن نجيم: باب احكام المرتدين)

ترجمہ: خلاصہ الفتاویٰ اور دیگر کتب میں ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کئی احتمال کفر کے اور ایک احتمال ایمان کا ہو تو مفتی کو چاہئے ایمان والے احتمال کو لے (کفر کا فتویٰ نہ دے) اس لئے کہ مسلمان کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے۔ بزاتیہ میں یہ اضافہ ہے کہ اگر قائل خود ہی کفر والے احتمال کو متعین کر دے تو پھر کسی کی تاویل اسے کفر سے نہیں بچا سکتی۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) "امداد الفتاویٰ" میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے

ہیں۔ سوال و جواب دونوں نقل کیے جاتے ہیں:

سوال 498: مشہور ہے کہ اگر کسی شخص میں ننانوے وجہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ اسلام کی تو اس پر کفر کا فتویٰ دینا نہ چاہئے تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت سے کلمات کو کفر کیلئے وضع کیا ہے تو پھر کلمات کفر کو کفر کیلئے وضع کرنے سے کیا فائدہ؟ اگر محض زجر مقصود ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ فی زمانہ بڑے بڑے عالم بعض لوگوں کو ذرا سی بات پر بلکہ حقیقت میں کلمات کفر کے ارتکاب پر کفر کا فتویٰ دیتے ہیں، اس فتویٰ کو کس پر محمول کرنا چاہئے؟

جواب: اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ننانوے باتیں کفر کی موجب پائی جاویں تب بھی فتویٰ نہ دیں گے، ننانوے تو بہت ہوتی ہیں اگر ایک امر بھی موجب کفر یقینی پایا جائے تب بھی فتویٰ دیدیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خود اس امر میں بہت سے احتمال ہیں بعض احتمالات پر تو وہ موجب کفر ہے اور وہ احتمالات ننانوے ہیں، اور بعض احتمال پر وہ موجب کفر نہیں اور وہ ایک ہے تو اس صورت میں اس امر کو محمول اسی احتمال پر کریں گے جو موجب کفر نہیں اور تکفیر سے احتیاط کریں گے۔

(امداد الفتاویٰ: ج 4 ص 393)

## 2: سبقت لسانی

اگر کسی انسان کی زبان اس کے قابو میں نہ ہو اور غیر اختیاری طور پر اس کی زبان سے کفریہ کلمہ نکل جائے تو وہ کافر نہ ہو

امام فخر الدین حسن بن منصور المعروف قاضی خان رحمہ اللہ ت 592ھ لکھتے ہیں:  
وَأَمَّا الْخَاطِئُ إِذَا جَرَى عَلَى لِسَانِهِ كَلِمَةُ الْكُفْرِ خَطَأً بِأَنْ كَانَ أَرَادَ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِمَا لَيْسَ بِكُفْرٍ  
فَجَرَى عَلَى لِسَانِهِ كَلِمَةُ الْكُفْرِ خَطَأً لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ كُفْرًا عِنْدَ الْكُلِّ.

(فتاویٰ قاضی خان: ج 4 ص 469 مکتبہ حقانیہ پشاور)

ترجمہ: اگر کسی شخص کی زبان سے غلطی سے کفریہ کلمہ نکل جائے کہ وہ ایسی بات کہنا چاہتا ہے جو کفریہ نہیں لیکن غلطی سے اس کی زبان سے کفریہ کلمہ نکل جاتا ہے تو بالاتفاق وہ کافر نہیں ہوگا۔

### مثال:

امام ابوالحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (ت 261ھ) نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَلَّهِ أَشَدُّ فَرَحًا بِتُوبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يَتُوبُ  
إِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ بِأَرْضِ فَلَاةٍ ، فَأَنْفَلَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَأَيْسَرَ مِنْهَا ،  
فَأَنَّى شَجَرَةً فَأَصْطَبَعَ فِي ظِلِّهَا وَقَدْ أَيْسَرَ مِنْ رَاحِلَتِهِ ، فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةٌ عِنْدَهُ ،  
فَأَخَذَ بِخَطَمِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ : اللَّهُمَّ ! أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ ! أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ .

(صحیح مسلم: باب في الحض على التوبة والفرح بها)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے کہیں زیادہ خوش ہوتے ہیں جو ایک غیر آباد صحرا میں اپنی سواری پر سفر کر رہا ہو اس کا کھانا، پینا۔ ساز و سامان اسی وساری پر ہو اور وہ سواری گم ہو جائے۔ وہ انسان اس کی واپسی سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سائے میں لیٹ جائے۔ وہ اسی مایوسی کے عالم میں اچانک دیکھتا ہے کہ وہ اونٹنی اس کے پاس کھڑی ہے، وہ اسے تکمیل کی رسی سے پکڑ کر بے حد خوشی میں کہتا ہے اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ وہ بندہ خوشی کی شدت کی وجہ سے غلطی کر گیا۔

### 3: اکراہ

اگر کسی بندے کو کفریہ کلمہ کہنے پر مجبور کیا جائے کہ فلاں کلمہ کہو وگرنہ جان سے مار دیں گے یا تمہارا کوئی عضو کاٹ دیں گے اور وہ کفریہ کلمہ کہدے تو کافر نہیں ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وَإِنْ أُكْرِهَ عَلَى الْكُفْرِ بِاللَّهِ تَعَالَى أَوْ سَبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ أَوْ قَطْعِ رُجْصٍ  
لَهُ إِظْهَارُ كَلِمَةِ الْكُفْرِ وَالسَّبِّ فَإِنَّ أَظْهَرَ ذَلِكَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ فَلَا يَأْتُمُّ وَإِنْ صَبَرَ حَتَّى قُتِلَ  
كَانَ مُثَابَرًا.

(فتاویٰ عالمگیری: ج 5 ص 38 کتاب الاکراہ الباب الثانی)

ترجمہ: اگر کسی بندے کو قتل کی یا کسی عضو کے کاٹنے کی دھمکی دے کر اللہ تعالیٰ کی ذات کے انکار یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس کے لئے کفریہ کلمہ کہنے کی اجازت ہے چنانچہ اگر اس نے زبان سے کفریہ کلمہ کہ دیا مگر دل میں

تصدیق موجود ہے تو گناہ گار و کافر نہ ہو گا اور اگر اس شخص نے کفریہ کلمہ کہنے سے انکار کر دیا اور قتل ہو گیا تو اس پر اسے اجر ملے گا۔ (رخصت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار نہیں ہو گا بلکہ ماجور ہو گا)

**مثال:**

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ اللیبیتی (ت 458ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَخَذَ الْمُشْرِكُونَ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ فَلَمْ يَتْرَكُوهُ حَتَّى سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ إِلَهُتَهُمْ بِخَيْرٍ ثُمَّ تَرَكَوهُ فَلَمَّا أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا وَرَاءَكَ؟" قَالَ: شَرُّ يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا تَرَكْتُ حَتَّى نَلْتُ مِنْكَ وَذَكَرْتُ إِلَهُتَهُمْ بِخَيْرٍ. قَالَ: "كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ؟" قَالَ: مُطْمَئِنًّا بِالْإِيمَانِ. قَالَ: "إِنْ عَادُوا فَعُدْ."

(السنن الكبرى للبيهقي: ج 8 ص 208 باب المُكْرَه عَلَى الرَّدَّة)

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مشرکین نے پکڑ لیا اور اس شرط پر چھوڑنے کا وعدہ کیا کہ عمار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازیبا کلمات کہے اور مشرکین کے معبودوں کی تعریف کرے آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا جس پر مشرکین نے ان کو چھوڑ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا ہوا؟ حضرت عمار نے عرض کیا یا رسول اللہ بہت برا واقعہ پیش آیا مشرکین مجھے نہیں چھوڑ رہے تھے یہاں تک کہ میں آپ کی شان اقدس میں نازیبا الفاظ کہتا اور ان کے معبودوں کا اچھے الفاظ سے ذکر کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس وقت تمہارے دل کی کیا کیفیت تھی؟ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا دل ایمان پر مطمئن تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ آئندہ بھی اس طرح کا مطالبہ کریں تو تم بھی اس طرح کے جملے کہہ دینا۔

**4: دینی ضرورت**

إِذَا نَطَقَ الْإِنْسَانُ كَلِمَةَ الْكُفْرِ لِحَاجَةٍ دِينِيَّةٍ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ فَإِنَّهُ لَا يُكْفَرُ.

اگر کسی شخص کے دل میں ایمان موجود ہو اور وہ کسی دینی ضرورت کی وجہ سے زبان سے کفریہ کلمہ کہہ دے تو وہ کافر نہیں

ہو گا۔

(تحقیقات متکلم اسلام)

**مثال:**

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ." فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ؟ قَالَ: "نَعَمْ!" قَالَ: فَأَذَنْ لِي أَنْ أَقُولَ شَيْئًا. قَالَ: "قُلْ." فَأَتَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ: إِنَّ هَذَا الرَّجُلُ قَدْ سَأَلَنَا صَدَقَةً وَإِنَّهُ قَدْ عَنَانَا وَإِنِّي قَدْ أَتَيْتُكَ أَسْتَسْلِفُكَ. قَالَ: وَأَيْضًا وَاللَّهِ لَتَمَلَّنُهُ. قَالَ: إِنَّا قَدْ اتَّبَعْنَاهُ فَلَا نُحِبُّ أَنْ نَدْعَهُ حَتَّى نَنْظُرَ إِلَى أَيِّ شَيْءٍ يَصِيرُ شَأْنُهُ وَقَدْ أَرَدْنَا أَنْ تُسَلِفَنَا وَسَقَا أَوْ وَسَقَيْنَ ..... قَالَ: ارْهُونِي نِسَاءَكُمْ! قَالُوا: كَيْفَ نَرَاهُكَ نِسَاءَنَا وَأَنْتَ أَجْمَلُ الْعَرَبِ. قَالَ: فَارْهُونِي أَبْنَاءَكُمْ. قَالُوا: كَيْفَ نَرَاهُكَ أَبْنَاءَنَا فَيَسُبُّ أَحَدَهُمْ فَيَقَالُ رُهِينَ يَوْسُقِ أَوْ وَسَقَيْنَ، هَذَا عَارٌّ عَلَيْنَا وَلَكِنَّا نَرَاهُكَ الْأَمَةَ. قَالَ سُفْيَانُ: يَعْنِي السِّلَاحَ. فَوَاعَدَهُ أَنْ يَأْتِيَهُ فَجَاءَهُ لَيْلًا وَمَعَهُ أَبُو

نَائِلَةٌ - وَهُوَ أَخُو كَعْبٍ مِنَ الرِّضَاعَةِ - فَدَعَاهُمْ إِلَى الْحِصْنِ فَنَزَلَ إِلَيْهِمْ فَقَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ: أَيْنَ تَخْرُجُ هَذِهِ السَّاعَةَ؟ فَقَالَ: إِنَّمَا هُوَ مُحَمَّدٌ بْنُ مَسْلَمَةَ وَأَخِي أَبُو نَائِلَةَ - وَقَالَ غَيْرُ عَمْرٍو - قَالَتْ: أَسْمَعُ صَوْتًا كَأَنَّهُ يَقْطُرُ مِنْهُ الدَّمُ. قَالَ: إِنَّمَا هُوَ أَخِي مُحَمَّدٌ بْنُ مَسْلَمَةَ وَرَضِيعِي أَبُو نَائِلَةَ، إِنَّ الْكَرِيمَ لَوْ دُعِيَ إِلَى طَعْنَةٍ بَلِيلٍ لَأَجَابَ. قَالَ: وَبِذِخْلِ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ مَعَهُ رَجُلَيْنِ ..... فَقَالَ: إِذَا مَا جَاءَ فَإِنِّي قَائِلٌ بِشَعْرِهِ فَأَشْمُهُ فَإِذَا رَأَيْتُمُونِي اسْتَمَكْنَتْ مِنْ رَأْسِهِ فِدُونَكُمْ فَاضْرِبُوهُ - وَقَالَ مَرَّةً - ثُمَّ أَشْمَكُمْ فَنَزَلَ إِلَيْهِمْ مُتَوَشِّحًا وَهُوَ يَنْفُخُ مِنْهُ رِيحَ الطَّيِّبِ فَقَالَ: مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ رِيحًا أَيْ أَطْيَبَ - وَقَالَ غَيْرُ عَمْرٍو - قَالَ: عِنْدِي أَعْطَرُ نِسَاءَ الْعَرَبِ وَأَكْمَلُ الْعَرَبِ. - قَالَ عَمْرٍو - فَقَالَ: أَتَأْذُنُ لِي أَنْ أَشْمَ رَأْسَكَ؟ قَالَ: نَعَمْ. فَشَمَّهُ ثُمَّ أَشَمَّ أَصْحَابَهُ، ثُمَّ قَالَ: أَتَأْذُنُ لِي؟ قَالَ: نَعَمْ. فَلَمَّا اسْتَمَكْنَ مِنْهُ قَالَ: دُونَكُمْ! فَفَتَلُّوهُ ثُمَّ أَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرُوهُ.

(صحیح البخاری: ج 2 ص 576 کتاب المغازی باب قتلِ كَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کعب بن اشرف اللہ اور اس کے رسول کو بہت تکلیف دے رہا ہے، اس بد بخت کا کام کون تمام کرے گا؟ اس پر محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! حضرت محمد بن مسلمہ نے عرض کیا: پھر آپ مجھے اجازت عنایت فرمائیں کہ میں اس سے کچھ باتیں کہوں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ اب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے پاس آئے اور اس سے کہا: یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے صدقہ مانگتا رہتا ہے اور اس نے ہمیں تھکا دیا ہے، اس لیے میں تم سے قرض لینے آیا ہوں۔ اس پر کعب نے کہا: ابھی تم آگے دیکھنا، بخدا تم بالکل اکتا جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: چونکہ ہم نے ان کا کلمہ پڑھ لیا اس لیے جب تک ان کا واضح انجام سامنے نہ آجائے انہیں چھوڑنا بھی مناسب نہیں، فی الحال میں تم سے ایک وسق یادو وسق غلہ قرض لینے آیا ہوں۔ کعب بن اشرف نے کہا: میرے پاس کچھ گروی رکھ دو پھر قرض لے جاؤ۔ محمد بن مسلمہ نے پوچھا: کیا چیز گروی رکھیں؟ کعب نے کہا: اپنی عورتوں کو رکھ دو۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم عرب کے بہت خوبصورت مرد ہو، ہم تمہارے پاس اپنی عورتیں کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں! اس نے کہا: تو پھر اپنے بچوں کو گروی رکھ دو۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم بچوں کو کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں؟ کل ہمارے بچوں کو عار دلانی جائے گی کہ ایک یادو وسق غلے پر انہیں رہن رکھ دیا گیا تھا (ایک وسق کی مقدار 191 کلو گرام اور 4 گرام بنتی ہے)، یہ تو غیرت کے خلاف بات ہے، ہاں البتہ ہم تمہارے پاس اپنے ہتھیار گروی رکھ سکتے ہیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کیا اور رات کے وقت اس کے یہاں آئے۔ ان کے ساتھ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی ابونائلہ بھی موجود تھے۔ قلعہ کے پاس جا کر انہوں نے کعب کو آواز دی۔ وہ باہر آنے لگا تو اس کی بیوی نے کہا کہ اتنی رات گئے کہاں باہر جا رہے ہو؟ اس نے کہا: وہ تو محمد بن مسلمہ اور میرا بھائی ابونائلہ ہے۔ بعض راویوں کے بیان کے مطابق کعب کی بیوی نے اس سے کہا تھا کہ مجھے تو یہ آواز ایسی لگتی ہے جیسے اس سے خون ٹپک رہا ہو۔ کعب نے جواب دیا کہ میرے بھائی محمد بن مسلمہ اور میرے رضاعی بھائی ابونائلہ ہیں، شریف آدمی کو اگر رات میں بھی نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو وہ نکل پڑتا ہے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ مزید دو ساتھیوں کو بھی اندر لاتے ہیں جنہیں انہوں نے معاملہ سمجھا دیا تھا کہ

جب کعب آئے تو میں اس کے سر کے بال پکڑوں گا (اور انہیں سو نگھوں گا)۔ جب تمہیں اندازہ ہو جائے کہ میں نے اس کا سر پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لیا ہے تو پھر تم تیار ہو جانا اور اسے قتل کر ڈالنا۔ بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہیں اس کی خوشبو سو نگھاؤں گا۔ چنانچہ کعب بن اشرف چادر لپیٹے ہوئے باہر آیا۔ اس کے جسم سے بہت زیادہ خوشبو آرہی تھی۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے اچھی خوشبو میں نے کبھی نہیں سو نگھی۔ عمرو کے علاوہ دوسرے راوی کا بیان ہے کہ اس پر کعب نے کہا: میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو ہر وقت عطر میں بسی رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی اس کی کوئی نظیر نہیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا: کیا میں تمہارے سر کو سو نگھ سکتا ہوں؟ اس نے اجازت دے دی۔ پہلے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے خود اس کا سر سو نگھا اور اس کے بعد اپنے ساتھیوں کو بھی سو نگھایا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا دوبارہ سر سو نگھنے کی اجازت ہے؟ اس نے اس مرتبہ بھی اجازت دے دی۔ جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے پوری طرح اپنے قابو میں کر لیا تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع دی۔

### 5: لزوم کفر

اگر کوئی شخص ایسی بات کہے جو موجب کفر نہ ہو لیکن اس سے کفر لازم آ رہا ہو تو محض لزوم کفر سے قائل کافر نہ ہو گا جب تک وہ کفر کا التزام نہ کرے ہاں اگر لزوم کفر یقینی اور بالکل واضح ہو تو پھر یہ بھی کفر ہو گا۔

علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز ابن عابدین شامی رحمہ اللہ ت 1252ھ فرماتے ہیں:

إِنَّ لَزْمَ الْمَذْهَبِ لَيْسَ بِمَذْهَبِهِمْ.

(رد المحتار لابن عابدین الشامی: ج 3 ص 46)

ترجمہ: کسی نظریہ سے لازم آنے والی چیز اصل نظریہ نہیں ہوتی۔

### مثال:

معتزلہ کے عقائد و نظریات کے بارے میں جب بحث ہو تو کہہ دیا جاتا ہے کہ ”معتزلہ کا یہ موقف کفر ہے“ اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ ”ان کی فلاں بات سے کفر لازم آتا ہے“ لزوم کفر؛ کفر نہیں ہوتا اس لیے ہم معتزلہ کو ان کے عقائد فاسدہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔

چنانچہ علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز ابن عابدین شامی رحمہ اللہ ت 1252ھ فرماتے ہیں:

وَقَوْلُهُ: (وَإِنْ وَقَعَ الْإِذَا فِي الْمَبَاحِثِ) مَعْنَاهُ وَإِنْ وَقَعَ النَّصْرِيحُ بِكُفْرِ الْمُعْتَزَلَةِ وَنَحْوِهِمْ عِنْدَ الْبَحْثِ مَعَهُمْ فِي رَدِّ مَذْهَبِهِمْ بِأَنَّهُ كُفْرٌ أَيْ يَلْزَمُ مِنْ قَوْلِهِمْ بِكَذَا الْكُفْرُ وَلَا يَقْتَضِي ذَلِكَ كُفْرَهُمْ.

(حاشیہ ابن عابدین: ج 3 ص 46)

ترجمہ: معتزلہ کے ساتھ بحث کے دوران بعض مباحث میں اگر الزام تکفیر کی بھی گئی ہے تو اس کا معنی یہ کہ ان کے موقف و دعویٰ سے کفر لازم آ رہا ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ کافر ہو گئے ہیں۔

## 6: ارتکاب کبیرہ

اگر کوئی مسلمان حالت ایمان میں کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کی وجہ سے اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگے گا۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوئی (ت 150ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا تُكْفِرُ مُسْلِمًا بِذَنْبٍ مِنَ الذُّنُوبِ وَإِنْ كَانَتْ كَبِيرَةً إِذَا لَمْ يَسْتَحِلِّهَا وَلَا نُزِيلُ عَنْهُ اسْمَ الْإِيمَانِ وَنُسَمِيهِ مُؤْمِنًا حَقِيقَةً وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُؤْمِنًا فَاسِقًا غَيْرَ كَافِرٍ.

(الفقہ الاکبر)

ترجمہ: ہم کسی مسلمان کو گناہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو جب تک کہ وہ اس گناہ کو حلال نہ سمجھے۔ ہم اس سے ”ایمان“ کا لفظ ختم نہیں کر سکتے بلکہ اسے حقیقی مؤمن ہی کہیں گے کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص مؤمن ہو اور فاسق ہو لیکن کافر نہ ہو۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ فرماتے ہیں:

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْإِسْلَامِ فِيمَنْ ارْتَكَبَ الْكَبِيرَةَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَمَاتَ قَبْلَ التَّوْبَةِ فَالْمَذْهَبُ عِنْدَنَا عَدَمُ الْقَطْعِ بِالْعَفْوِ وَلَا بِالْعِقَابِ بَلْ كِلَاهُمَا فِي مَشِينَةِ اللَّهِ تَعَالَى لَكِنْ عَلَى تَفْدِيرِ التَّعْذِيبِ نَقَطُ بِأَنَّهُ لَا يُخْلَدُ فِي النَّارِ بَلْ يَخْرُجُ الْبَيْتَةَ لَا بِطَرِيقِ الْوُجُوبِ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى بَلْ بِمُقْتَضَى مَا سَبَقَ مِنَ الْوَعْدِ وَثَبَتَ بِالذَّلِيلِ كَتَخْلِيدِ أَهْلِ الْجَنَّةِ.

(شرح المقاصد فی علم الکلام للتفتازانی: ج 2 ص 229)

ترجمہ: اہل اسلام کا مرتکب کبیرہ مؤمن کے بارے میں اختلاف ہے جو توبہ کرنے سے پہلے فوت ہو جائے۔ ہمارا (اہل السنۃ والجماعۃ) کا موقف یہ ہے کہ ہم صاحب کبیرہ کے لیے قطعی طور پر معافی کے قائل ہیں نہ سزا پانے کے بلکہ معافی اور سزا کو اللہ کی مشیت کے سپرد کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اگر مرتکب کبیرہ کو سزا ہوئی تو یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائے گا بلکہ سزا پانے کے بعد جہنم سے ضرور نکلے گا۔ ہاں جہنم سے نکالنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی وجہ سے ہے (کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اہل ایمان کو جنت میں ضرور داخل کرے گا) اور اس دلیل کی بناء پر ہے (کہ اہل ایمان ہمیشہ جہنم میں نہیں جائیں گے) جس طرح اہل جنت کا جنت میں ہمیشہ رہنا دلیل کی بنا پر ہے۔

اشکال:

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی (ت 360ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جَهَارًا.

(المعجم الاوسط للطبرانی: ج 3 ص 343 رقم الحدیث 3348)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی تو اس نے کھلم کھلا کفر کا ارتکاب کیا۔

اس روایت میں تو گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے کفر ثابت ہو رہا ہے۔

جوابات:

- 1: اس سے مراد یہ ہے کہ اس شخص نے کافروں والا کام کیا۔
- 2: یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو نماز کا انکار کرے۔
- 3: یہ باعتبار انجام کے بتایا گیا ہے کہ جب انسان نماز کو چھوڑ دے گا تو بالآخر یہ کام اسے کفر تک لے جائے گا۔
- 4: یہ خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کے بارے میں کفر پر مرنے کا خدشہ ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری اللہروی الحنفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

قُلْتُ: وَنِعْمَ الرَّأْيُ رَأْيُ أَبِي حَنِيفَةَ؛ إِذِ الْأَقْوَالُ بَاقِيهَا ضَعِيفَةٌ، ثُمَّ مِنَ التَّأْوِيلَاتِ أَنْ يَكُونَ مُسْتَحَالًا لِتَرْكِهَا، أَوْ تَرْكُهَا يُؤَدِّي إِلَى الْكُفْرِ، فَإِنَّ الْمَعْصِيَةَ بَرِيدُ الْكُفْرِ، أَوْ يُخْشَى عَلَى تَارِكِهَا أَنْ يَمُوتَ كَافِرًا، أَوْ فِعْلُهُ شَابَهَ فِعْلَ الْكَافِرِ.

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ (اس حدیث کا معنی بیان کرنے میں) سب سے اچھی رائے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ہے کیونکہ اس کے علاوہ باقی سارے اقوال ضعیف ہیں۔ پھر اس حدیث کی تاویلات میں سے (۱) ایک تاویل یہ ہے کہ نماز چھوڑنے کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔ (۲) ایک تاویل یہ بھی ہے کہ نماز چھوڑنا کفر تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ معصیت کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ (۳) یا یہ خدشہ ہے کہ تارک صلوٰۃ کافر ہو کر مرے گا یا (۴) یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس نے نماز چھوڑ کر کافروں جیسا کام کیا ہے۔

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج 3 ص 17

## فتویٰ تکفیر میں احتیاط

کسی کے بارے میں کفر کا فتویٰ دینا ایک نازک مرحلہ ہے جس میں اعتدال کی بے حد ضرورت ہے۔ اس لئے کہ کسی پر کفر

کا فتویٰ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ

(1): اسے سلام کرنا ناجائز ہے۔

(2): اس سے قلبی تعلق رکھنا ناجائز ہے۔

(3): اس سے کسی مسلمان کا نکاح کرنا ناجائز ہے۔

(4): اگر اس کا نکاح پہلے سے کسی مسلمان سے ہوا ہو تو وہ نکاح باطل ہے۔

(5): اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کا جنازہ پڑھنا ناجائز ہے۔

(6): اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا ناجائز ہے۔

(7): اس کے لیے استغفار کرنا ناجائز ہے۔

(8): اس کے لیے استشفاع کرنا ناجائز ہے۔

(9): اس کے لیے ایصالِ ثواب کرنا ناجائز ہے۔

(10): اس کو وراثت میں حصہ دینا اور اس کی وراثت سے حصہ لینا ناجائز ہے۔

قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض مالکی رحمہ اللہ (ت 544ھ) نقل کرتے ہیں:

لَأَنَّ إِدْخَالَ كَافِرٍ فِي الْمِلَّةِ وَإِخْرَاجَ مُسْلِمٍ عَنْهَا عَظِيمٌ فِي الدِّينِ.

(الشفاء، تعريف حقوق المصطفى: فصل في تحقيق القول في إكفار المتأولين)

ترجمہ: کسی کافر کو ملت (اسلام) میں داخل سمجھنا اور کسی مسلمان کو ملت سے خارج قرار دینا بہت نازک مسئلہ ہے۔

## اہل قبلہ

## لغوی معنی:

لغوی اعتبار سے ”اہل قبلہ“ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کریں۔

چنانچہ مولانا عبد العزیز پراڑوی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) فرماتے ہیں:

مَعْنَاهُ اللَّغَوِيُّ مَنْ يُصَلِّي إِلَى الْكَعْبَةِ أَوْ يَعْتَقِدُهَا قِبْلَةً.

(النبراس شرح شرح العقائد 342، 341)

ترجمہ: لغت میں اہل قبلہ سے مراد وہ شخص ہے جو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے یا کعبہ کے قبلہ ہونے کا عقیدہ رکھے۔

## اصطلاحی معنی:

اصطلاح شریعت میں اہل قبلہ سے مراد ضروریات دین کو ماننے والے، اہل ایمان اہل اسلام ہیں۔

چنانچہ مولانا عبد العزیز پراڑوی رحمہ اللہ (ت 1239ھ) فرماتے ہیں:

فِي اصطلاح الْمُتَكَلِّمِينَ مَنْ يُصَدِّقُ بِضُرُورِيَّاتِ الدِّينِ أَي الْأُمُورِ الَّتِي عَلِمَ ثُبُوتُهَا فِي الشَّرْعِ وَاشْتَهَرَ فَمَنْ أَنْكَرَ شَيْئًا مِّنَ الضَّرُورِيَّاتِ كَحُدُوثِ الْعَالَمِ وَحَشْرِ الْأَجْسَادِ وَعِلْمِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ بِالْجَزْئِيَّاتِ وَفَرَضِيَّةِ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ وَلَوْ كَانَ مُجَاهِدًا فِي الطَّاعَاتِ وَكَذَلِكَ مَنْ بَاشَرَ شَيْئًا مِّنْ أَمَارَاتِ التَّكْذِيبِ كَسُجُودِ الصَّنَمِ وَالْإِهَانَةِ بِأَمْرِ شَرْعِيٍّ وَالْإِسْتِهْزَاءِ عَلَيْهِ فَلَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ.

(النبراس شرح شرح العقائد: ص 341، ص 342)

ترجمہ: متکلمین کی اصطلاح میں اہل قبلہ اس شخص کو کہتے ہیں جو ضروریات دین یعنی ان چیزوں کی تصدیق کرے جن کا ثبوت شریعت میں یقینی ہے اور یہ چیزیں معروف و مشہور بھی ہوں (کہ عوام الناس بھی ان سے واقف ہوں) تو اگر کوئی شخص ضروریات دین مثلاً عالم کا حادث ہونا، قیامت کے دن جسموں کا دوبارہ اٹھنا، یہ نظریہ رکھنا کہ اللہ پاک کو جزئیات کا علم نہیں، نماز اور روزے کی فرضیت کا انکار کرنا ان میں سے کسی ایک کا انکار کر دے تو وہ اہل قبلہ نہیں ہو گا چاہے وہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایسا کام کرے جو تکذیب کی علامت ہو جیسے بتوں کو سجدہ کرنا، شریعت کے کسی معاملے کی اہانت کرنا اور اس کا مذاق اڑانا تو یہ شخص بھی اہل قبلہ نہ ہو گا۔

## اہل قبلہ کا حکم:

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی رحمہ اللہ (ت 321ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا نُكْفِرُ أَحَدًا مِّنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ مَا لَمْ يَسْتَحِلَّهُ.

(العقيدة الطحاوية: ص 101)

ترجمہ: ہم کسی اہل قبلہ کو گناہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے جب تک کہ وہ اس گناہ کو حلال نہ سمجھے۔

فائدہ نمبر 1:

- یہ جو کہا جاتا ہے کہ ”اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ
- 1: انہیں ارتکابِ معاصی کی وجہ سے کافر نہ کہا جائے۔
  - 2: انہیں امور خفیہ غیر مشہورہ (امورِ غیر بدیہہ) کے انکار کی وجہ سے کافر نہ کہا جائے۔
  - 3: انہیں عقائد ظنیہ کے انکار کی وجہ سے کافر نہ کہا جائے۔

(تنقیحاتِ متکلم اسلام)

**فائدہ نمبر 1:** علامہ پرہاڑوی رحمہ اللہ کی اس عبارت میں ”امور خفیہ غیر مشہورہ“ سے مراد وہ اعتقادات ہیں جو عوام میں زیادہ شہرت نہ پاتے ہوں اور ان کا سمجھنا نظر و فکر پر منحصر ہو۔ جیسے قرآن کریم کا قدیم ہونا، فرشتوں پر انبیاء علیہم السلام کی فضیلت وغیرہ۔ اسی طرح فقہاء کے اجتہادی مسائل بھی اس قسم میں داخل ہیں مثلاً ”قروء“ سے مراد حیض ہونا، ربوی چیزوں میں کمی زیادتی اور ادھار کا حرام ہونا۔

**فائدہ نمبر 2:** علامہ پرہاڑوی رحمہ اللہ کی اس عبارت میں ”امور خفیہ غیر مشہورہ“ یہ امور بدیہہ مشہورہ کے مقابلے میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر اہل قبلہ: امور بدیہہ مشہورہ یعنی ضروریات دین کا انکار کر دیں تو اب انہیں کافر کہا جائے گا۔

فائدہ نمبر 2:

عوام الناس میں اہل قبلہ کا جو اصطلاحی مفہوم مشہور ہے کہ ”اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں“ تو یہ مفہوم غلط ہے۔ ”اہل قبلہ“ ایک شرعی اصطلاح ہے جس کی مخصوص مراد ہے یعنی ضروریات دین کو ماننے والے لوگ۔ جس طرح ”خلافتِ راشدہ“ اور ”خلفائے راشدین“ شرعی اصطلاحات ہیں جن کی مراد یہ ہے کہ آیت استخفاف (سورۃ النور: آیت 55) میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خلافت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ چار ہیں اور ان کی خلافت کو ”خلافتِ راشدہ“ کہتے ہیں۔

## جن لوگوں کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ان کا اخروی حکم

اس اعتبار سے افراد کی تین قسمیں ہیں:

[1]: ایک شخص کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی اور وہ عقیدہ توحید کے بغیر دنیا سے چلا گیا اور اس میں وجودِ باری تعالیٰ، توحیدِ باری تعالیٰ وغیرہ میں غور و فکر کرنے کی صلاحیت موجود تھی تو وہ عند اللہ معذور نہیں ہو گا بلکہ اس کا مواخذہ ہو گا۔  
(تنقیحاتِ متکلم اسلام)

امام نظام الدین ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم الخراسانی الشاشی الحنفی (ت 335ھ) لکھتے ہیں:  
قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَوْ لَمْ يَبْعَثِ اللَّهُ تَعَالَى رَسُولًا لَوْجَبَ عَلَى الْعُقَلَاءِ مَعْرِفَتُهُ بِعُقُوبِهِمْ.

(اصول الشاشی: ص 50 فصل فی الامر)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ کسی رسول کو مبعوث نہ فرماتے تب بھی عقل مندوں پر عقل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو پہچانا ضروری ہوتا۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:  
”اس شخص کو اگر کبھی کسی اہل حق کے کہنے سے یا خود کسی خیال کے آنے سے اپنے طریقہ میں شبہ پڑا ہو اور پھر بھی تحقیق کی فکر نہ کی ہو تب تو اس پر مواخذہ ہو گا۔“

(امداد الفتاویٰ: ج 5 ص 404)

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی (ت 1394ھ) فرماتے ہیں:

کفر و شرک چونکہ امر بدیہی ہے کہ عقل و فطرت سے بھی معلوم ہو سکتا ہے اس لیے انکارِ خداوندی اور شرک پر ہر حال میں مواخذہ ہو گا۔

(معارف القرآن: ج 4 ص 264 تفسیر سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر 15 ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی (ت 1396ھ) لکھتے ہیں:

”بعض ائمہ کے نزدیک جو اسلامی عقائد عقل سے سمجھے جاسکتے ہیں مثلاً خدا کا وجود، اس کی توحید وغیرہ پس جو لوگ اس کے منکر ہوں گے ان کو کفر پر عذاب ہو گا اگرچہ ان کو کسی نبی و رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو۔“

(معارف القرآن: ج 5 ص 456 تفسیر سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 15 ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾)

[2]: ایک شخص کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی اور وہ عقیدہ توحید کے بغیر دنیا سے چلا گیا اور اس میں غور و فکر کرنے کی صلاحیت موجود نہیں تھی تو آخرت میں اس کا امتحان ہو گا کہ یہ شخص اللہ کی اطاعت کرتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ ایک منادی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شخص کو پیغام دے گا کہ آگ میں داخل ہو جاؤ! اگر یہ اس آگ میں داخل ہو تو وہ آگ اس پر ٹھنڈک اور پر امن ہو جائے گی اور یہ اطاعت گزار شمار ہو گا۔ اس صورت میں اس کا مواخذہ نہیں ہو گا۔ اگر اس نے اطاعت نہ کی تو یہ نافرمان شمار ہو گا۔

اس صورت میں اس کا مواخذہ ہو گا۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی (ت 1394ھ) فرماتے ہیں:

قول فیصل اس کے بارے میں یہ ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کا امتحان ہو گا اور منجانب اللہ ان کے پاس ایک فرشتہ آئے گا اور کہے گا کہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ! پس جو حکم خداوندی کی اطاعت کرے گا آگ اس کے حق میں برد اور سلام بن جائے گی اور جو انکار کرے گا اس کو گھسیٹ کر آگ میں ڈالا جائے گا۔ حاصل کلام یہ کہ قیامت کے دن ان لوگوں کا اس طرح امتحان لیا جائے گا جو اطاعت کرے گا وہ بہشت میں داخل کر دیا جائے گا اور جو نافرمانی کرے گا وہ ذلت و خواری کے ساتھ داخل نار ہو گا۔

(معارف القرآن: ج 4 ص 265 تفسیر سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 15 ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾)

امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل البغدادی (ت 241ھ) روایت کرتے ہیں:

عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ سَرِيحٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَرْبَعَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ أَصَمٌّ لَا يَسْمَعُ شَيْئًا وَرَجُلٌ أَحْمَقٌ وَرَجُلٌ هَرَمٌ وَرَجُلٌ مَاتَ فِي فِتْرَةٍ فَأَمَّا الْأَصَمُّ فَيَقُولُ: رَبِّ! لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامَ وَمَا أَسْمَعُ شَيْئًا. وَأَمَّا الْأَحْمَقُ فَيَقُولُ: رَبِّ! لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامَ وَالصِّبْيَانُ يَحْذِفُونِي بِالْبَعْرِ. وَأَمَّا الْهَرَمُ فَيَقُولُ: رَبِّي! لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامَ وَمَا أَعْقُلُ شَيْئًا. وَأَمَّا الَّذِي مَاتَ فِي الْفِتْرَةِ فَيَقُولُ: رَبِّ! مَا أَتَانِي لَكَ رَسُولٌ. فَيَأْخُذُ مَوَائِقَهُمْ لِيُطِيعُنَّهُ فَيُرْسِلُ إِلَيْهِمْ أَنْ ادْخُلُوا النَّارَ، قَالَ: فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ دَخَلُوهَا لَكَانَتْ عَلَيْهِمْ بَرْدًا وَسَلَامًا."

(مسند احمد: ج 26 ص 228 رقم الحدیث 16301)

ترجمہ: حضرت اسود بن ساریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن چار قسم کے لوگ ہوں گے (جو اپنی نجات کے لیے یوں دلائل دیں گے) ایک بہرہ جو کچھ بھی نہیں سنتا، دوسرا احمق آدمی، تیسرا بوڑھا شخص اور چوتھا وہ شخص جو زمانہ فترت (یعنی اس زمانے میں جس میں وحی نہ آتی تھی) فوت ہوا۔ چنانچہ

☆ بہرہ شخص عرض کرے گا: یا اللہ! جب اسلام آیا تو میں اس وقت کچھ بھی نہیں سن سکتا تھا۔

☆ احمق آدمی کہے گا: یا اللہ! جب اسلام آیا تو میری حالت یہ تھی کہ بچے مجھے بینگیاں مارتے تھے۔

☆ بوڑھا شخص کہے گا: یا اللہ! جب اسلام آیا تو میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا تھا (میرے حواس کام چھوڑ چکے تھے)

☆ اور جو شخص زمانہ فترت میں فوت ہوا تو وہ کہے گا: یا اللہ! میرے پاس آپ کا کوئی رسول نہیں آیا۔

(ان کی باتیں سن کر) اللہ تعالیٰ ان سے عہد لیں گے کہ تم لوگ میری اطاعت کرو گے۔ چنانچہ (اس اطاعت کے امتحان

کے لیے) ان کی طرف یہ پیغام بھیجا جائے گا کہ آگ میں داخل ہو جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں مجھ محمد کی جان ہے اگر وہ اس میں داخل ہو گئے تو وہ اسے ٹھنڈی اور پر امن پائیں گے۔

[3]: ایک شخص میں عقل و فہم موجود ہے لیکن اس کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی اور وہ عقیدہ توحید کے بغیر دنیا سے چلا گیا اور اس شخص نے معاصی کا ارتکاب بھی کر رکھا ہو تو ارتکابِ معاصی کی وجہ سے اس کا مواخذہ نہیں ہوگا کیونکہ اجتناب عن المعاصی کی بنیاد رسول یا کسی داعی کا اسے دعوت دینا ہے۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی (ت 1394ھ) فرماتے ہیں:

آیت ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ میں عدم عذاب کا حکم معاصی کے ساتھ مخصوص ہے کہ قبل بعثت ارتکابِ معاصی پر عذاب نہ ہوگا۔

(معارف القرآن: ج 4 ص 264 تفسیر سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر 15 ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی (ت 1396ھ) لکھتے ہیں:

”عام معاصی اور گناہوں پر سزا بغیر دعوت و تبلیغِ انبیاء کے نہیں ہوگی۔“

(معارف القرآن: ج 5 ص 456 تفسیر سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 15 ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾)

[4]: ایک شخص میں عقل و فہم موجود ہے، اس کو دعوتِ اسلام بھی پہنچی ہے لیکن وہ عقیدہ توحید کے بغیر دنیا سے چلا گیا اور اس نے معاصی کا ارتکاب بھی کر رکھا ہو تو اس شخص کو عدم ایمان کی وجہ سے عذاب ہوگا اور ارتکابِ معاصی کی وجہ سے ازدیادِ عذاب ہوگا۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَا سَأَلَكُمْ فِي سَفَرٍ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَ لَمْ نَكُ نُطَعِمُ الْمِسْكِينَ﴾

سورۃ المدثر: 42 تا 44

ترجمہ: (اصحابِ ایمین جب جہنمیوں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کس وجہ سے جہنم میں آنا پڑا؟ تو جہنمی بتائیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) لکھتے ہیں:

”اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفار مکلف بالفروع ہیں۔ سقر میں دو چیزیں ہوں گی: تعذیب و زیادتِ تعذیب۔ پس ممکن ہے کہ مجموعہ اعمال مذکورہ سبب ہو مجموعہ تعذیب و زیادتِ تعذیب کا اس طرح کہ کفر و تکذیب تو سبب ہو تعذیب کا اور ترکِ صلوة وغیرہ سبب ہو زیادتِ تعذیب کا، اور غیر مکلف بالفروع ہونے کے معنی یہ کہے جاویں گے کہ ان فروع پر نفس تعذیب نہ ہوگی اور زیادتِ تعذیب اس لیے ہو کہ ضمن اصول میں تو آخر ان فروع کے بھی مکلف ہیں۔ بس تکلیفِ ضمنی سبب ہو جاوے زیادتِ کا۔“

(تفسیر بیان القرآن: ج 3 ص 611، تفسیر سورۃ المدثر آیت ﴿مَا سَأَلَكُمْ فِي سَفَرٍ﴾)

## فائدہ:

گناہوں پر مواخذہ نہ ہونے کا حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے پاس دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو اور عدم واقفیت کی بناء پر اس سے گناہوں کا ارتکاب ہوا ہو۔ البتہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو اور جہالت کی وجہ سے معاصی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو تو اس کا مواخذہ ہو گا۔ جہالت اس شخص کے لیے عذر شمار نہیں ہوگی کیونکہ جب اس شخص نے اسلام قبول کیا ہے تو اسلامی احکامات اور قواعد و قوانین کا سیکھنا بھی اس پر فرض ہے۔ جیسے ایک شخص جب کسی ملک میں داخل ہو تو اس ملک کے قوانین سے واقفیت حاصل کرنا اس پر لازم ہوتا ہے۔ اگر عدم علم کی وجہ سے وہ کسی قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا یہ عذر قابل قبول نہیں ہوتا کہ مجھے پتا نہیں تھا۔

## کفار سے تعلقات کا حکم

کفار سے تعلقات کی چار قسمیں ہیں:

(1): موالات یعنی دل سے محبت اور دوستی

(2): مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی

(3): مواساة یعنی کفار سے غم خواری کرنا

(4): معاونت یعنی کفار کا تعاون کرنا

ان چاروں اقسام کا حکم یہ ہے:

## موالات کا حکم:

کفار سے موالات یعنی دل سے محبت اور دوستی کسی حال میں بھی جائز نہیں۔

## دلیل نمبر 1:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ

مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ (سورة المائدة: 51)

ترجمہ: اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ، وہ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں! اور تم میں سے جو کوئی ان

سے دوستی کرے گا تو اس کا شمار انہی میں ہو گا۔

## دلیل نمبر 2:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوِّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ (سورة الممتحنة: 1)

ترجمہ: اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ﴾

(سورۃ آل عمران: 28)

ترجمہ: مومنین؛ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کو دوست نہ بنائیں اور جو شخص ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

## مدارات کا حکم:

مدارت یعنی ظاہری خوش خلقی۔

مدارت ان تین مقاصد کے لیے جائز ہے:

(1)... کافر کے شر اور نقصان سے بچنے کے لیے

دلیل:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرْكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ﴾

(سورۃ آل عمران: 28)

ترجمہ: مومنین؛ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کو دوست نہ بنائیں اور جو شخص ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں تم ان سے بچنے کے لیے کوئی طریقہ اختیار کرو (تو تمہارے لیے اس کی گنجائش ہے) اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات اقدس سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔

(2)... اس کافر کی ہدایت کے لیے (بشرطیکہ یہ توقع ہو کہ ہمارے اس عمل سے وہ ہدایت کی طرف آئے گا)

دلیل:

﴿أَمَّا مَنْ اسْتَعْلَىٰ ﴿٥﴾ فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ ﴿٦﴾﴾

(سورۃ عبس: 4، 5)

ترجمہ: جو شخص لاپرواہی دکھاتا ہے تو آپ اس کی ہدایت کے لیے فکر مند ہوتے ہیں۔

یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سردارانِ قریش؛ عتبہ، ربیعہ، ولید بن مغیرہ، ابی بن خلف، امیہ بن خلف، شیبہ، ابو جہل بن ہشام وغیرہ جمع تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور شرک و بت پرستی کے مہلک نتائج سے باخبر فرما رہے تھے۔ ان سردارانِ قریش کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توقع تھی کہ وہ اسلام قبول کریں گے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کفار سے مدارات فرمایا۔

سوال:

سورۃ عبس میں تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے ان سردارانِ قریش کی طرف متوجہ رہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ کفار کے ساتھ مدارات درست نہ ہوں اگرچہ ان کے راہِ راست پر آنے کی توقع بھی ہو۔

جواب:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب اس وجہ سے نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سردارانِ قریش کے قبولِ اسلام کی توقع پر ان سے مدارات فرمایا بلکہ عتاب کی وجہ یہ تھی کہ ان کفار کو تبلیغ کرنے سے ان کا نفع غیر یقینی تھا جبکہ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو تعلیم دینے سے ان کا نفع یقینی تھا۔ تو عتاب کی وجہ غیر یقینی نفع کو یقینی نفع پر ترجیح دینا تھا، نہ کہ کفار کے قبولِ اسلام کی توقع پر ان سے مدارات کرنا۔

(3)... کافر اگر مہمان ہو تو اس کے اکرام کے لیے

دلیل:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:  
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ."

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 6138)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔

**فائدہ نمبر 1:** اس حدیث مبارک میں ”ضیف“ (مہمان) کا لفظ عام ہے چاہے مسلمان ہو یا کافر، اہل السنۃ والجماعۃ ہو یا اہل بدعت، بحیثیت مہمان کے اس کا اکرام کرنا چاہیے۔

**فائدہ نمبر 2:** اگر آنے والا مہمان مقتداء ہو اور اس کا اکرام کرنے سے فتنے کا خطرہ ہو تو ایسے شخص کا اکرام کرنا جائز نہیں۔ مثلاً لوگوں کے اس کی طرف مائل ہونے کا، مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے کا یا کسی قسم کی غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اب اکرام نہ کریں۔

(تفہیمات متکلم اسلام)

**فائدہ نمبر 3:** کافر کے ساتھ ظاہری خوش خلقی کرنے میں اگر مقصد.....

- ♦ اس کافر سے مال یا جاہ کا حصول ہو
  - ♦ یا خوش خلقی کرنے میں دینی ضرر اور نقصان ہوتا ہو
  - تو یہ ظاہری خوش خلقی بھی جائز نہیں۔
- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الْكُفْرَيْنَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ أَيْبَتَعُونَ عِنْدَهُمْ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۝﴾

﴿(۱۳۹)﴾

(سورۃ النساء: 139)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کو دوست بناتے ہیں، کیا یہ ان کے ہاں عزت تلاش کر رہے ہیں؟ یاد رکھو! عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔

**مواسات کا حکم:**

مواسات یعنی کفار سے غمخواری کرنا، بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا، پریشان ہو تو اسے تسلی دینا، فوت ہو جائے تو اس کے ورثاء سے تعزیت کرنا اور انہیں تسلی دینا وغیرہ۔ جن کفار سے جنگ ہے (یعنی اہل حرب) ان کے ساتھ مواسات جائز نہیں

ہے البتہ جن سے جنگ نہیں بلکہ حالت امن ہے ان کے ساتھ جائز ہے۔

◆ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ غُلَامًا لِيَهُودَ كَانَ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرَضَ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُهُ فَقَالَ: "أَسْلِمَ" فَأَسْلَمَ.

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 5657)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک بار وہ بیمار ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اسے فرمایا: "اسلام قبول کر لو!" تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی (ت 1014ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى جَوَازِ عِيَادَةِ الذِّمِّيِّ.

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج 5 ص 294 باب عیادۃ المریض)

ترجمہ: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ذمی (غیر مسلم) کی عیادت کرنا جائز ہے۔

◆ علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین شامی الحنفی رحمہ اللہ (ت 1252ھ) لکھتے ہیں:

جَارٌ يَهُودِيٌّ أَوْ مَجُوسِيٌّ مَاتَ ابْنٌ لَهُ أَوْ قَرِيبٌ يَنْبَغِي أَنْ يُعَزِّيَهُ ، وَيَقُولَ: "أَخْلَفَ اللَّهُ عَلَيْكَ خَيْرًا مِنْهُ ، وَأَصْلَحَكَ" وَكَانَ مَعْنَاهُ: أَصْلَحَكَ اللَّهُ بِالْإِسْلَامِ يَعْنِي رَزَقَكَ الْإِسْلَامَ وَرَزَقَكَ وَوَلَدًا مُسْلِمًا.

(رد المحتار مع الدر المختار: ج 6 ص 388)

ترجمہ: اگر کسی کا ہمسایہ یہودی ہو یا مجوسی ہو اور اس کا بیٹا یا کوئی قریبی رشتہ دار فوت ہو جائے تو مسلمان اس کے ساتھ ان الفاظ سے تعزیت کرے: اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے اور آپ کے حالات کو درست فرمادے! اس کا معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی توفیق عطا فرما کر آپ کے حالات درست فرمائے اور آپ کو ایسا بیٹا عطا فرمائے جو مسلمان بنے۔

فائدہ:

جب کوئی فوت ہوتا ہے تو ایک ضرورت اہل میت کی ہوتی ہے اور ایک ضرورت میت کی۔ اہل میت کی ضرورت ان سے اظہار ہمدردی اور تعزیت کرنا ہے۔ اہل میت مسلمان ہوں یا غیر مسلم ان سے اظہار ہمدردی کی جاسکتی ہیں۔ جہاں تک میت کا تعلق ہے تو اگر میت؛ مسلمان ہو تو اس کے لیے دعائے مغفرت کرنی چاہیے اور اگر میت؛ غیر مسلم ہو تو اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا ہرگز جائز نہیں۔ مغفرت کی دعا صرف مسلمانوں کا حق ہے۔ اس لیے غیر مسلم میت کے لیے کبھی بھی ایسا جملہ نہ بولا جائے جس سے اس کی مغفرت طلب کرنے اور گناہوں کی معافی مانگنے کا ادنیٰ سا پہلو بھی نکلتا ہو۔ اس سے یکسر اجتناب کرنا لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّتَّ أَبَدًا وَ لَا تُقَمِّ عَلَىٰ قَبْرِهِ ط﴾

(سورۃ التوبہ: 84)

ترجمہ: ان (کفار و منافقین) میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی الحنفی (ت 1270ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والمراد من الصلاة المنهي عنها صلاة الميت المعروفة وهي متضمنة للدعاء والإستغفار والإستشفاع.

(تفسیر روح المعانی: ج 10 ص 155)

ترجمہ: اس آیت میں جس ”صلوٰۃ“ سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد نماز جنازہ ہے (یعنی آپ ان لوگوں کی نماز جنازہ نہ پڑھیں) نماز جنازہ میں میت کے لیے دعا، مغفرت طلب کرنا اور اللہ کے ہاں اس کی سفارش کرنا سب شامل ہے (تو نماز سے منع کرنے کا معنی ان سب امور سے منع کرنا ہے)

## معاونت کا حکم:

معاونت یعنی ان سے تعاون کرنے کا حکم یہ ہے کہ جن کفار سے جنگ ہے (یعنی اہل حرب) ان کے ساتھ معاونت جائز نہیں ہے اور جن سے جنگ نہیں بلکہ حالت امن ہے ان کے ساتھ جائز ہے۔

## دلیل:

﴿لَا يَنْهَيْكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَ لَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَ تُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (۸) إِنَّمَا يَنْهَيْكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَ أَخْرَجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظَهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوهُمْ ۗ وَ مَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (۹)﴾ (سورة المتحنة: 8، 9)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ جو لوگ دین کے معاملے میں تم سے نہیں لڑے اور نہ ہی انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے کہ تم ان کی مدد کرو یا ان سے تعاون کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تو تمہیں اس بات سے روکتا ہے کہ جن لوگوں نے ساتھ دین کے معاملے میں تم سے جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہیں نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے کہ تم ان سے دوستی رکھو۔ (یہ بات جان لو کہ) جو لوگ اس کے باوجود ان کی مدد کریں گے تو وہی لوگ ظالم شمار ہوں گے۔

## سوال:

آیت میں جنگ کرنے والے کفار سے نیکی اور انصاف کا معاملہ کرنے سے منع کیا گیا ہے حالانکہ نیکی اور انصاف تو ہر شخص کے ساتھ کرنے کا حکم ہے۔

## جواب:

- (1): آیت میں ”بِرّ“ (نیکی) نہ کرنے سے مقصود؛ نیکی کے ایک خاص شعبہ ”امداد“ سے منع کرنا ہے۔ یعنی اگر حالت جنگ ہو تو جنگجو کافروں کو افرادی یا مالی امداد فراہم نہ کرو!
- (2): آیت میں ”انصاف“ سے منع کرنے کا معنی بھی یہی ہے کہ ان کا تعاون نہ کرو! عرف میں اپنوں اور غیروں کی مدد کرنے

والے شخص کے بارے میں کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص بڑا انصاف پسند ہے یعنی اپنوں اور غیروں کی تفریق کیے بغیر ہر کسی کی مدد کرتا ہے۔

**ملوظ:** ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ﴾ سے مراد بھی امداد کرنا ہے کیونکہ عام طور پر جس سے محبت ہوتی ہے اسی کی مدد کی جاتی ہے۔ تو یہاں بھی ”تولی“ (محبت و دوستی) کا اطلاق ”امداد“ پر کیا گیا ہے۔

## کسی شخص پر لعنت کرنے کا حکم

### لعنت کا لغوی معنی:

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن احمد ابن عابدین شامی (ت 1252ھ) علامہ شمس الدین محمد بن حسام الدین الخراسانی الحنفی المعروف علامہ قہستانی (ت 962ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اللَّعْنُ فِي الْأَصْلِ الطَّرْدُ .

(ردالمحتار: ج 3 ص 416)

ترجمہ: لعنت؛ لغت میں دور کرنے کو کہتے ہیں۔

### لعنت کا اصطلاحی معنی:

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن احمد ابن عابدین شامی (ت 1252ھ) علامہ شمس الدین محمد بن حسام الدین الخراسانی الحنفی المعروف علامہ قہستانی (ت 962ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اللَّعْنُ ... شَرَعًا فِي حَقِّ الْكُفَّارِ الْإِبْعَادُ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَفِي حَقِّ الْمُؤْمِنِينَ الْإِسْقَاطُ عَنْ دَرَجَةِ الْأَبْرَارِ .

(ردالمحتار: ج 3 ص 416)

ترجمہ: لعنت کا شرعی معنی کافروں کے حق میں انہیں اللہ کی رحمت سے دور کرنا اور مومنین کے حق میں انہیں ابراہر (نیک صالح لوگوں) کے درجہ سے گرانا ہے۔

### لعنت بھیجنے کے حکم کی تفصیلات:

افراد اور ان کے احوال کے پیش نظر ان پر لعنت بھیجنے کے حکم میں کچھ تفصیل ہے۔

[1]: ایسے افراد جن کی موت کفر پر ہوئی ہو ان کا نام لیے بغیر ان پر لعنت کرنا جائز ہے۔ جیسے یوں کہنا کہ ”کفر پر مرنے والوں پر لعنت ہو۔“

### دلیل:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴾

(سورة البقرة: 161)

ترجمہ: بیشک جنہوں نے کفر اختیار کیا اور کافر ہونے کی حالت میں ہی مر گئے، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور

تمام انسانوں کی لعنت ہے۔

[2]: ایسے افراد جن کے بارے میں یقین ہو کہ ان کی موت حالتِ کفر پر ہوئی ہے ان کا نام لے کر ان پر لعنت کرنا جائز ہے۔  
جیسے یوں کہنا کہ فرعون پر لعنت، ابو جہل (عمر بن ہشام) پر لعنت۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری الہروی الخفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

يَجُوزُ اللَّعْنُ .... عَلَى كَافِرٍ مُّعَيَّنٍ مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ كَفِرَ عَوْنٌ وَأَبِي جَهْلٍ.

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج 7 ص 3045)

ترجمہ: خاص اس کافر پر لعنت کرنا جائز ہے جو کفر پر مر رہا ہو جیسے فرعون اور ابو جہل۔

دلائل:

1: ﴿ فَاتَّبِعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۚ يَفْقَهُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۚ وَبِئْسَ الْوَرْدُ الْمَوْرُودُ ۚ وَاتَّبِعُوا فِي هَذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ۚ ﴾

(سورۃ ہود: 97 تا 99)

ترجمہ: ان (سرداروں) نے فرعون کا حکم مانا، حالانکہ فرعون کا حکم بالکل بھی درست نہ تھا۔ وہ روزِ قیامت اپنی قوم کے آگے آگے ہو گا، پھر وہ انہیں دوزخ کے گھاٹ پر جاتا رہے گا۔ اور وہ بدترین گھاٹ ہے جس پر کوئی جاترے۔ اس دنیا میں بھی ان پر لعنت کی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ یہ بدترین انعام ہے جو کسی کو ملے۔

2: امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل بغدادی رحمہ اللہ (ت 241ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَتَيْتُ أَبَا جَهْلٍ وَقَدْ جُرِحَ وَقَطِعَتْ رِجْلُهُ قَالَ: فَجَعَلْتُ أَضْرِبُهُ بِسَيْفِي فَلَا يَعْمَلُ فِيهِ شَيْئًا. قِيلَ لَشْرِيكَ فِي الْحَدِيثِ: وَكَانَ يَذُبُّ بِسَيْفِهِ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَلَمْ أَزَلْ حَتَّى أَحَدْتُ سَيْفَهُ فَضَرَبْتُهُ بِهِ حَتَّى قَتَلْتُهُ. قَالَ: ثُمَّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: قَدْ قَتَلَ أَبُو جَهْلٍ. وَرُبَّمَا قَالَ شْرِيكَ: قَدْ قَتَلْتُ أَبَا جَهْلٍ. قَالَ: أَنْتَ رَأَيْتَهُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: اللَّهُ مَرَّتَيْنِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: فَأَذْهَبْ حَتَّى أَنْظُرَ إِلَيْهِ. فَذَهَبَ فَأَتَاهُ وَقَدْ عَيَّرَتِ الشَّمْسُ مِنْهُ شَيْئًا فَأَمَرَ بِهِ وَبِأَصْحَابِهِ فَسَجَبُوا حَتَّى أَلْقُوا فِي الْقَلْبِيبِ قَالَ: وَاتَّبَعَ أَهْلُ الْقَلْبِيبِ لَعْنَةً وَقَالَ: كَانَ هَذَا فِرْعَوْنَ هَذِهِ الْأُمَّةَ.

(مسند احمد: ج 6 ص 375 رقم الحدیث 3824)

ترجمہ: ابو عبیدہ رحمہ اللہ اپنے والد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں (غزوہ بدر میں) ابو جہل کے پاس پہنچا۔ وہ زخمی پڑا تھا۔ اس کا ایک پاؤں کٹ چکا تھا۔ میں اسے اپنی تلوار سے مارنے لگا لیکن تلوار نے اس پر کچھ اثر نہ کیا۔ راوی حدیث شریک سے پوچھا گیا: کیا ابو جہل اپنی تلوار کے ذریعے مقابلہ کر رہا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اسے مسلسل تلوار مارتا رہا یہاں تک کہ میں نے اس کی تلوار چھینی اور اسی تلوار کے ذریعے اس پر وار کیا اور اسے قتل کر دیا۔ پھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ابو جہل مارا گیا ہے۔ راوی حدیث شریک کبھی یہ الفاظ بھی نقل کرتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے خود ابو جہل کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے دو مرتبہ مجھے قسم دے کر پوچھا (کہ واقعی وہ قتل ہو گیا ہے) تو میں نے عرض کیا: جی ہاں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ساتھ چلو تا کہ میں بھی اسے دیکھوں۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی لاش کے پاس تشریف لائے۔ سورج کی تپش نے اس کی لاش کے کچھ حصے کو خراب کر دیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کو کھینچ کر کنوئیں میں ڈال دو۔ فرمایا کہ ان کنویں والوں پر لعنت برسائی گئی۔ فرمایا: یہ اس امت کا فرعون تھا۔

[3]: زندہ یا مردہ کی قید کے بغیر مطلقاً کافر پر لعنت بھیجنا بھی جائز ہے چاہے ان کفار کا وصف عام (کفر) ذکر کر کے لعنت کی جائے یا وصف خاص (مثلاً یہودیت، نصرانیت وغیرہ) ذکر کر کے لعنت کی جائے۔ جیسے یوں کہنا کہ کافروں پر اللہ کی لعنت، یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری اللہوی الحنفی (ت 1014ھ) لکھتے ہیں:

يَجُوزُ اللَّعْنُ بِالْوَصْفِ الْأَعْمِ كَقَوْلِهِ: ﴿فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكُفْرِينَ﴾ [البقرة: 89]، وَبِالْأَخْصِ كَقَوْلِهِ: "لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْيَهُودِ".

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ج 7 ص 3045)

ترجمہ: عام وصف کا ذکر کرتے ہوئے (اس کے حاملین پر) لعنت کرنا جائز ہے جیسے اللہ تعالیٰ کافرمان ہے: کافروں پر اللہ کی لعنت ہو، اور خاص وصف کا ذکر کرتے ہوئے لعنت کرنا بھی جائز ہے جیسے یوں کہنا: یہود پر اللہ کی لعنت۔

دلائل:

1: ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكُفْرِينَ﴾

(سورة البقرة: 89)

ترجمہ: اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کتاب پہنچی جو ان کے پاس موجود کتاب [تورات] کی تصدیق کرنے والی ہے، حالانکہ وہ اس سے پہلے کافروں کے مقابلے میں [نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے] فتح مانگا کرتے تھے؛ تو جب وہ [پیغمبر قرآن کریم لے کر] ان کے پاس آگیا جسے وہ پہچانتے بھی تھے، تو وہ اس کے انکاری ہو گئے۔ تو اللہ کی لعنت ہے کافروں پر۔

2: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ: "لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ."

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 1390)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفا میں جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحت یاب نہ ہو سکے، فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے، انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

[4]: جو شخص زندہ ہو اور حالت کفر میں ہو تو اس کا نام لے کر اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں۔

معروف مفسر علامہ اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الخنفي (ت 1127ھ) لکھتے ہیں:

إِنْ كَانَ مِمَّنْ لَمْ يَنْبُتْ شَرًّا عَا ..... بِعَيْنِهِ فَهَذَا فِيهِ خَطْرٌ.

(تفسیر روح البیان: ج 1 ص 142 تفسیر سورة البقرة آیت 87 ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ﴾)

ترجمہ: اگر یہ شخص معین ایسا ہو جس کا کفر (پر مرنا) ثابت نہیں ہے تو اس (شخص پر لعنت کرنے) میں کھڑکا ہے۔

فائدہ:

اس سے مراد وہ شخص ہے میں ایسے قرآن پائے جاتے ہوں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ شخص علی الدوام کفر پر نہیں رہے گا کہ اس کی موت بھی کفر پہ آئے بلکہ اس میں امکان ہو کہ یہ کسی وقت مسلمان ہو سکتا ہے، ایسے شخص پر لعنت بھیجنا جائز نہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص ایسا ہو جو کافر ہے لیکن اس کے بارے میں قرآن و شواہد ایسے ہوں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ کبھی بھی اسلام نہ لائے گا تو اس پر لعنت کرنا جائز ہو گا کیونکہ یہاں مقصد اس شخص کے شر سے مسلمانوں کو خبردار کرنا اور بچانا ہے۔

دلیل:

معروف مفسر علامہ اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الخنفي (ت 1127ھ) لکھتے ہیں:

لأن حال خاتمته غير معلوم وربما يسلم الكافر أو يتوب فيموت مقرباً عند الله فكيف يحكم بكونه ملعوناً ألا يرى أن وحشياً قتل عم النبي عليه السلام أعني حمزة رضي الله عنه ثم أسلم على يد النبي عليه السلام وبشره الله بالجنة.

(تفسیر روح البیان: ج 1 ص 142 تفسیر سورة البقرة آیت 87 ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ﴾)

ترجمہ: (معین کافر پر لعنت کرنا اس لیے جائز نہیں) کیونکہ اس معین شخص کے خاتمے کا حال معلوم نہیں ہے اور کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک کافر، مسلمان ہو جاتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے اور اللہ کے ہاں قرب کا مقام پالیتا ہے اور اسی حالت میں اس کی وفات ہو جاتی ہے تو اس کو ملعون کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ کیا یہ بات واضح نہیں کہ حبشی رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور پھر نبی علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام لائے اور اللہ نے انہیں جنت کی بشارت دی۔

[5]: اگر کوئی کافر ایسا ہو جو زندہ ہو، اسلام کا صریح مخالف ہو، اپنی تصنیف، تقریر اور اثر و رسوخ کے ذریعے اسلام کو نقصان پہنچاتا ہو، ضدی اور ہٹ دھرم ہو تو اس کا نام لے کر اس پر لعنت بھیجنا جائز ہے۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

دلیل:

ایسے شخص پر لعنت بھیجنا اس لیے جائز ہے کیونکہ اس کے عمل سے شر اور فتنہ پیدا ہو رہا ہے۔ لعنت کرنے کا مقصد اس شخص کے شر اور فتنہ انگیزی سے مسلمانوں کو باخبر کرنا اور بچانا ہے۔

[6]: جس شخص کا کفر پر مرنا کسی دلیل سے معلوم نہ ہو تو اس کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔

علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز بن احمد ابن عابدین شامی (ت 1252ھ) لکھتے ہیں:

لَمْ تَجْزُ عَلَى مُعَيَّنٍ لَمْ يُعْلَمَ مَوْتُهُ عَلَى الْكُفْرِ بِدَلِيلٍ.

(ردالمحتار: ج 3 ص 416)

ترجمہ: اس متعین شخص پر لعنت نہیں کی جائے گی جس کا کفر پر مرنا کسی دلیل سے (یقینی طور پر) ثابت نہ ہو۔  
دلیل:

اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے اس شخص کا کاتمہ ایمان پر ہوا ہو لیکن ہمیں اس کا علم نہ ہو تو اس پر لعنت کرنے سے بلا وجہ ایک مسلمان پر لعنت کرنا لازم آئے گا۔

[7]: ایک شخص کفر پر مر گیا اور اس کا کفر پر مرنا یقینی ہو اور وہ شخص جب تک زندہ تھا اسلام کے لیے نقصان کا باعث نہیں تھا، اگر اس شخص پر لعنت بھیجنے سے اس کے کسی رشتہ دار مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہو تو اس شخص پر لعنت نہیں بھیجنی چاہیے۔ جیسے ایک شخص کافر تھا اور اس کا بیٹا مسلمان ہے، اگر اس کافر پر لعنت بھیجیں تو اس کے بیٹے کو تکلیف ہوگی تو اب اس پر لعنت نہ بھیجی جائے۔  
معروف مفسر علامہ اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الحنفی (ت 1127ھ) لکھتے ہیں:

اللعن علی الشخص فإن کان ممن ثبت کفرهم شرعاً یجوز لعنه إن لم یکن فیہ اذی علی مسلم.

(تفسیر روح البیان: ج 1 ص 142 تفسیر سورة البقرة آیت 87 ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ﴾)  
ترجمہ: کسی معین شخص پر لعنت کا حکم یہ ہے کہ اگر اس شخص کا کفر ثابت ہے تو اس پر لعنت کرنا جائز ہے بشرطیکہ لعنت کرنے سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ ہو۔

دلیل:

اگر کوئی شخص کفر پر مرا ہو تو اس پر لعنت کرنا واجب نہیں ہے لیکن ایذاً مسلم سے بچنا حرام ہے جس طرح دورانِ طواف حجرِ اسود کو بوسہ دینا مستحب ہے لیکن اگر اس سے مسلمانوں کو ایذا ہو تو بوسہ نہیں دینا چاہیے۔ یہاں بھی اس فوت شدہ کافر شخص پر لعنت نہ بھیجی جائے۔

[8]: ایسے زندہ مسلمان جو گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہوں تو ان کے کسی فرد کو متعین کیے بغیر ان کو اس گناہ کے ساتھ متصف کر کے ان پر لعنت کرنا جائز ہے۔ جیسے یوں کہنا: ان مردوں پر لعنت جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز بن احمد ابن عابدین شامی (ت 1252ھ) لکھتے ہیں:  
وَبِخِلَافٍ غَيْرِ الْمُعَيَّنِ كَالظَّالِمِينَ وَالْكَاذِبِينَ فَيَجُوزُ أَيْضًا.

(ردالمحتار لابن عابدین: ج 3 ص 416)

ترجمہ: بخلاف غیر معین شخص کے جیسے ظالموں پر لعنت، جھوٹوں پر لعنت تو ایسا کہنا بھی جائز ہے۔

فائدہ:

یہاں لعنت کا معنی یہ ہو گا کہ یہ مسلمان: نیک لوگوں کے مقام و مرتبہ سے گرے ہوئے ہیں۔

چنانچہ علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز بن احمد ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (ت 1252ھ) علامہ شمس الدین محمد بن حسام الدین الخراسانی الحنفی رحمہ اللہ (ت 962ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اللَّعْنُ ... فِي حَقِّ الْمُؤْمِنِينَ الْإِسْقَاطُ عَنْ دَرَجَةِ الْأَبْرَارِ .

(ردالمحتار: ج 3 ص 416)

ترجمہ: لعنت کا شرعی معنی مومنین کے حق میں یہ ہے کہ انہیں ابراہر (نیک صالح) کے درجہ سے گرانا ہے۔

### دلائل:

1: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ لَعَنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ .

(صحیح البخاری: کتاب اللباس باب الْمُتَشَبِّهُونَ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتُ بِالرِّجَالِ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔

2: امام مسلم بن حجاج القشیری (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: لَعَنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكَلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدِيهِ وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ .

(صحیح مسلم: کتاب المساقاة. باب لعن آكل الربا ومؤكله)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سودی معاملہ لکھنے والے اور سودی معاملے پر گواہ بننے والے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے اور آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ تمام لوگ اس معاملے میں برابر کے شریک ہیں۔

[9]: مسلمان جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں ان کے فرد معین پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے۔

علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز بن احمد ابن عابدین شامی (ت 1252ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ لَعْنَ الْوَاحِدِ الْمُعِينِ كَهَذَا الظَّالِمِ لَا يَجُوزُ .

(ردالمحتار لابن عابدین: ج 3 ص 416)

ترجمہ: ایک معین ظالم شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں۔

### دلیل:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اسْمُهُ عَبْدَ اللَّهِ وَكَانَ يُلقَبُ حِمَارًا وَكَانَ يُضْحِكُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَلَدَهُ فِي الشَّرَابِ فَأَتَى بِهِ يَوْمًا فَأَمَرَ بِهِ فَجُلِدَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: اللَّهُمَّ الْعَنَّهُ مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتَى بِهِ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَلْعَنُوهُ فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ إِنَّهُ يُحِبُّ اللَّهُ

(صحیح البخاری: کتاب الحدود باب مَا يُكْرَهُ مِنْ لَعْنِ شَارِبِ الْخَمْرِ وَإِنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنَ الْمِلَّةِ)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک آدمی تھا جس کا نام ”عبد اللہ“ تھا۔ لوگوں نے اسے حمار (گدھا) کا نام دے رکھا تھا۔ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شراب پینے کی وجہ سے کوڑوں کی سزا دی تھی۔ ایک دن اسے پھر لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اسے کوڑے مارے گئے۔ لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت کر، اسے کتنی زیادہ مرتبہ (شراب پینے کی سزا کے لیے) لایا جاتا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے لعنت مت کرو، اللہ کی قسم! جو بات مجھے معلوم ہے وہ یہ ہے کہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

[10]: فوت شدہ مسلمان فاسق ہو تو اس کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔

علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز بن احمد ابن عابدین شامی (ت 1252ھ) لکھتے ہیں:

لَمْ تَجْزُ عَلَيَّ مُعَيَّنٍ لَمْ يُعْلَمْ مَوْتُهُ عَلَى الْكُفْرِ بِدَلِيلٍ وَإِنْ كَانَ فَاسِقًا مُتَهَوِّرًا كَيْزِيدَ عَلِيٍّ الْمُعْتَمَدِ.

(رد المحتار: ج 3 ص 416)

ترجمہ: کسی متعین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں جب تک اس کا کفر پر مرنا کسی دلیل سے یقینی طور پر ثابت نہ ہو خواہ وہ ایک لاپرواہ فاسق شخص ہی کیوں نہ ہو جیسے صحیح قول کے مطابق یزید ہے (کہ وہ فاسق ہے لیکن اس پر لعنت جائز نہیں)۔

دلیل:

شریعت کا حکم ہے کہ مسلمان فاسق کی وفات کے بعد اس کا جنازہ پڑھا جائے، اس کے لیے استغفار کی جائے، استشفاع کیا جائے اور ایصال ثواب کیا جائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان فاسق کے لیے وفات کے بعد دعا کی جائے، اس پر لعنت نہ بھیجی جائے۔

## فاسد العقیدہ شخص کے پیچھے نماز کا حکم

فاسد العقیدہ امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔

[1]: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

”سوال (293): غیر مقلد کے پیچھے حنفی کی نماز ہوتی ہے یا نہیں اور کیسی ہوتی ہے؟

جواب: غیر مقلد بہت طرح کے ہیں، بعض ایسے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا خلاف احتیاط یا مکروہ یا باطل ہے۔ چونکہ

پورا حال معلوم ہونا فی الفور مشکل ہے اس لیے احتیاط یہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم“

امداد الفتاویٰ: ج 1 ص 304 باب الامامة والجماعة

[2]: مفتی عبدالرحیم لاچپوری رحمۃ اللہ علیہ (ت 1422ھ) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: (سوال و جواب دونوں نقل کیے جاتے ہیں)

”غیر مقلد امام کے پیچھے نماز پڑھنا: (سوال ۲۳۱) غیر مقلد امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ہمارے یہاں بعض حنفی غیر مقلدوں کی مسجد میں جا کر نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) مقلدین و غیر مقلدین میں بہت سے اصولی و فروعی اختلاف ہیں مثلاً یہ لوگ صحابہ کو معیار حق نہیں مانتے۔ ائمہ اربعہ پر سب و شتم کرتے ہیں اور ان کی تقلید کو جس کے وجوب پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اس کو بدعت بلکہ بعض تو شرک تک کہہ دیتے ہیں اور اسی طرح بہت سے اجماعی مسائل کے منکر ہیں، بیس رکعت تراویح کو بدعت عمری کہتے ہیں۔ وقوع طلاق ثلاثہ کو قرآن و حدیث کے خلاف کہتے ہیں۔ جمعہ کی اذان اول کو بدعت عثمانی کہتے ہیں۔ اور بعض تو چار سے زائد عورتوں سے نکاح کو جائز کہتے ہیں، متعہ کے جواز کے قائل ہیں اس لیے ہمارے اکابرین فرماتے ہیں کہ حتیٰ الوسع ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور نماز جیسی اہم عبادت کو مشتبہ طور پر ادا کرنا کس طرح مناسب ہو سکتا ہے؟ اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز پڑھ لی تو احتیاطاً بعد میں اعادہ کر لے۔“

فتاویٰ رحیمیہ: ج 4 ص 183 باب الامامة والجماعة

[3]: مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1422ھ) لکھتے ہیں:

”آج کل کے غیر مقلدین کی اکثریت صرف یہی نہیں کہ رعایت مذہب کا خیال نہیں رکھتی بلکہ اس کو غلط سمجھتی ہے، اور عمداً اس کے خلاف کا اہتمام کرتی ہے اور اس کو ثواب سمجھتی ہے اس لیے ان کی اقتداء سے حتیٰ الامکان احتراز لازم ہے... یہ تفصیل اس وقت ہے جب امام صحیح العقیدہ ہو، اگر اس کا عقیدہ فاسد ہے، مقلدین کو مشرک جانتا ہے اور سب سلف کرتا ہے [یعنی اکابرین امت کو گالیاں دیتا ہے] تو اس کی امامت بہر حال مکروہ تحریمی ہے۔“

احسن الفتاویٰ: ج 3 ص 282 باب الامامة والجماعة

[4]: دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ (Fatwa ID: 395-318/D=4/1435-U) میں لکھا ہے:

”اگر غیر مقلد امام سوتی موزے پر مسح کرتا ہے یا تقلید کو شرک کہتا ہے یا ائمہ مجتہدین کو برا بھلا کہتا ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند“

[5]: دارالعلوم دیوبند فتویٰ (فتویٰ: 787-798/1433/N=10) میں لکھا ہے:

”جو غیر مقلد تقلید کو شرک، خلفائے راشدین کی جاری کردہ سنن کو بدعات اور ائمہ مجتہدین و غیر ہم کے متعلق زبان درازیاں کرتا ہو وہ فاسق ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، اور آج کل کے اکثر غیر مقلدین ایسے ہی ہوتے ہیں اس لیے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہیے.... واللہ تعالیٰ اعلم، دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند“

[6]: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے فتویٰ (144202200404) میں لکھا ہے:

”بدعتی کی اقتدا میں نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ کسی صحیح العقیدہ، متقی، پرہیزگار امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے... اگر کوئی شخص ایسی بدعات میں مبتلا ہو جو حد کفر و شرک تک پہنچی ہوئی ہوں اور اس میں تاویل معتبر نہ ہو، یا یقینی طور پر اس کے عقائد کا شرکیہ ہونا معلوم ہو تو ایسے بدعتی امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اور اگر کسی نے پڑھ لی تو اعادہ ضروری ہوگا۔“

### دلیل:

امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ وَقَرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَذِمِ الْإِسْلَامِ."

(شعب الایمان للبیہقی: ج 12 ص 57 رقم الحدیث 9018)

ترجمہ: ابراہیم بن میسرہ رحمہ اللہ (ثقفہ تابعی) سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم کی تو اس نے اسلام (کی عمارت) کو گرانے میں معاونت کی۔

**فائدہ:** فاسد العقیدہ بدعتی شخص کو امام بنانے میں بھی اس کی تعظیم ہے جو حدیث مذکور کی روکی جائز نہیں!

### اشکال:

امام ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی البغدادی الدارقطنی (ت 385ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ، وَصَلُّوا عَلَى كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ، وَجَاهِدُوا مَعَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ."

(سنن الدارقطنی: رقم الحدیث 1768)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نیک و گنہگار شخص کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو! ہر نیک و گنہگار میت کی نماز جنازہ پڑھ لیا کرو اور ہر نیک و گنہگار شخص (یعنی امیر) کے ساتھ مل کر جہاد کیا کرو! اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نماز ہر مسلمان کے پیچھے درست ہے چاہے وہ کتنا ہی فاجر کیوں نہ ہو!

### جواب:

اس حدیث میں ”فاسق“ سے مراد وہ شخص ہے جس کے عقائد تو درست ہوں لیکن اعمال میں فسق آچکا ہو۔ اگر امام ایسا شخص ہو کہ اس کا فسق حد کفر تک جا پہنچا ہو تو ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر امام کا عقیدہ خراب ہے اگرچہ اعمال میں بظاہر اچھا ہو تو بھی اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہوگی۔

علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل الطحاوی الحنفی (ت 1231ھ) مراقی الفلاح کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

وَالْمُرَادُ: الْفَاسِقُ بِالْجَارِحَةِ لَا بِالْعَقِيدَةِ.

(حاشیہ الطحاوی علی مراقی الفلاح: ص 204)

ترجمہ: ”فاسق“ سے مراد اعمال کے اعتبار سے اللہ کی اطاعت سے نکلنے والا شخص ہے نہ کہ عقیدہ کے اعتبار سے۔

## ایمان و کفر

ایمان اور کفر دو متضاد چیزیں ہیں۔ ایمان؛ صحت جبکہ کفر؛ بیماری ہے۔ جس طرح صحت مند ہونے کے لئے تمام بیماریوں سے پاک ہونا ضروری ہے لیکن بیمار ہونے کے لئے کسی ایک بیماری کا لگ جانا بھی کافی ہے اسی طرح مومن ہونے کے لئے تمام ضروریاتِ ایمان کی تصدیق ضروری ہے اور کافر ہونے کے لئے ضروریاتِ ایمان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کافی ہے۔

چنانچہ امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (ت 321ھ) لکھتے ہیں:

وَلَا يَخْرُجُ الْعَبْدُ مِنَ الْإِيمَانِ إِلَّا بِجُحُودٍ مَّا أَدْخَلَهُ فِيهِ. (العقيدة الطحاوية: رقم العقيدة 60)

ترجمہ: بندہ ایمان سے اس وقت تک نہیں نکلے گا جب تک ان چیزوں کا انکار نہ کر دے جن کے ماننے کی وجہ سے وہ ایمان میں داخل ہوا تھا۔

## سنت و بدعت

سنت اور بدعت دو متضاد چیزیں ہیں۔ سنت؛ صحت جبکہ بدعت؛ بیماری ہے۔ جس طرح صحت مند ہونے کے لئے تمام بیماریوں سے پاک ہونا ضروری ہے لیکن بیمار ہونے کے لئے کسی ایک بیماری کا لگ جانا بھی کافی ہے اسی طرح اہل السنۃ والجماعۃ ہونے کے لئے تمام ضروریاتِ اہل السنۃ والجماعۃ کی تصدیق ضروری ہے اور بدعتی ہونے کے لئے ضروریاتِ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے کسی ایک کا انکار بھی کافی ہے۔

وَلَا يَخْرُجُ الْعَبْدُ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ إِلَّا بِجُحُودٍ مَّا أَدْخَلَهُ فِيهِ.

ترجمہ: بندہ اہل السنۃ والجماعۃ سے اس وقت تک نہیں نکلے گا جب تک ان چیزوں کا انکار نہ کر دے جن کے ماننے کی وجہ سے وہ اہل السنۃ والجماعۃ میں داخل ہوا تھا۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

## شاذ اور فرقہ

شاذ:

ایک مسئلہ پر اہل حق کے 99 افراد متفق ہیں اور اس مسئلہ میں اہل حق کا ایک فرد اختلاف کرتا ہے تو ان میں 99 کو سواد اعظم اور ایک کو ”شاذ“ کہتے ہیں۔

مثال:

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا تین طلاقیں کو ایک کہنا، بعض اہل علم کا آٹھ رکعات تراویح کا قائل ہونا۔

حکم:

”شاذ“ کی اتباع نہیں کریں گے بلکہ ”سوادِ اعظم“ کی کریں گے۔

دلیل:

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ (ت 273ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:  
"إِنَّ أُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ فَإِذَا رَأَيْتُمْ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ."

(سنن ابن ماجہ: کتاب الفتن باب السواد الاعظم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ جب تم اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم کی پیروی کرو!

فائدہ نمبر 1:

”شاذ“ رائے کو گمراہ تو نہیں کہیں گے کیونکہ یہ اہل حق کے فرد کی رائے ہے، اسے ”تفرد“ کہیں گے۔

فائدہ نمبر 2:

اگر وہ فرد اپنی رائے کو حق کہہ کر دوسروں کی تضلیل کرتا ہے تو اس فرد کو ”ضال“ اور ”مضل“ کہیں گے۔

فائدہ نمبر 3:

اگر کوئی شخص اس فرد کی رائے کو ”مذہب“ بنا کر مشہور کرے تب بھی اس کو ”ضال“ اور ”مضل“ کہیں گے۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

فرقہ:

کئی ایک عقائد و مسائل کے حاملین افراد پر مشتمل گروہ کا نام ”فرقہ“ ہے۔

فائدہ نمبر 1: فرقہ کی دو قسمیں ہیں:

1: فرقہ ناجیہ

اگر کسی فرقہ کے عقائد و مسائل درست ہوں تو وہ فرقہ ناجیہ، اہل حق ہوگا۔

2: فرقہ ضالہ

اگر کسی فرقہ کے عقائد و مسائل غلط ہوں تو وہ فرقہ ضالہ ہوگا۔

فائدہ نمبر 2: فرقہ ضالہ کی دو قسمیں ہیں:

1: فرقہ ضالہ کافرہ:

اگر کوئی فرقہ ضروریاتِ دین کے مقابلے میں چند ایک ضروریاتِ دین گھڑ لے یا ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا انکار

کردے تو یہ فرقہ ضالہ کافرہ ہوگا۔

**مثال:** منکرین ختم نبوت، منکرین قرآن، منکرین حدیث، منکرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

**۲: فرقہ ضالہ مبتدعہ**

اگر کوئی فرقہ ضروریاتِ اہل السنۃ والجماعۃ کے مقابلے میں چند ایک عقائد و مسائل گھڑ لے یا ضروریاتِ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے کسی ایک کا انکار کر دے تو وہ فرقہ ضالہ مبتدعہ ہوگا، البتہ فرقہ کافرہ نہیں ہوگا۔

**مثال:** منکرین عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، منکرین عصمت انبیاء علیہم السلام۔

(تفصیلات متکلم اسلام)

**فائدہ نمبر 3: تہتر فرقوں کا مطلب**

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (ت 279ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَيُّتَيْنِ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَدَوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّىٰ إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّةً عِلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً." قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: "مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي."

(جامع الترمذی: باب ماجاء فی افتراق الامۃ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ساتھ وہی صورت حال پیش آئے گی جو بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آچکی ہے۔ یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس کا مرتکب ہوگا۔ مزید فرمایا: بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ایک جماعت کو چھوڑ کر باقی سب فرقے جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! جنت میں جانے والی جماعت کون سی ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے جو بات میری اور اس کا مطلب میرے صحابہ سے لیں گے۔

**فائدہ نمبر 1:** اس حدیث مبارک میں جو تہتر فرقوں کا ذکر ہے ان سے مراد مسلمانوں کے تہتر فرقے ہیں۔ ان میں سے ایک

فرقہ اہل السنۃ والجماعۃ ناجیہ ہادیہ اور بہتر فرقے ضالہ مبتدعہ ہیں۔

**فائدہ نمبر 2:** ان بہتر فرقوں کے متعلق یہ جو فرمایا ہے: "كُلُّهُمْ فِي النَّارِ" کہ یہ فرقے اپنے گناہوں کی سزا پانے کے کچھ

مدت کے لیے جہنم میں جائیں گے اور سزا پانے کے بعد بالآخر جنت میں داخل ہوں گے۔ جہنم میں جانے سے مراد یہ نہیں کہ یہ فرقے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائیں گے۔

مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمہ اللہ (ت 1385ھ) لکھتے ہیں:

"اس ایک فرقہ سے مراد وہ فرقہ ہے جو بلا کسی ادنیٰ عذاب کے جنت میں جائے گا اور وہ یہ ہوگا جس میں اعتقادی اور عملی

کسی پہلو سے بھی بدعت نے راہ نہ پائی ہوگی۔ اگر بناء بر بشریت کوئی عملی کمزوری ان سے سرزد بھی ہوگئی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت یا اسے معاف کر دے گی ورنہ قبر اور محشر کے شدائد میں کہیں اس کا حساب مجری کر لے گی۔ اس کے بالمقابل جو باطل فرقے ہیں ان کو اپنے افتراق اور تشتت کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ اس کے بعد وہ بھی جنت میں چلے جائیں گے۔ آخر کار اس امت کا ہر ہر فرقہ کچھ عذاب پا کر یا بلا عذاب جنت میں داخل ہو جائے گا۔“

(ترجمان السنۃ: ج 1 ص 78)

### فائدہ نمبر 4: تہترواں فرقہ

یہ وہ فرقہ ہے جو فقہاء اور علماء سے عداوت اور بغض رکھتا ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ الْعَارِفِينَ : هَذِهِ الْفِرْقَةُ الَّتِي زَادَتْ فِي فِرْقِ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمْ قَوْمٌ يُعَادُونَ الْعُلَمَاءَ وَيُبْغِضُونَ الْفُقَهَاءَ ، وَلَمْ يَكُنْ ذَلِكَ قَطُّ فِي الْأُمَمِ السَّالِفَةِ .

(الجامع لاحکام القرآن: سورت الانعام آیت 153 "وَ أَنْ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ" وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ

سَبِيلِهِ"۶)

ترجمہ: بعض علمائے عارفین کا قول ہے کہ یہ جو فرقہ امت محمدیہ میں زائد ہوا ہے یہ وہ لوگ ہیں وہ علماء سے عداوت رکھتے ہیں اور فقہاء سے بغض رکھتے ہیں۔ یہ فرقہ امم سابقہ میں نہیں تھا۔

**فائدہ نمبر 5:** ایک عام قاعدہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی نعمت ملتی ہے تو اس کے مقابلے میں دشمن بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ”اجتہاد“ پہلی امتوں میں نہیں تھا تو اس کے دشمن بھی نہیں تھے۔ جب اس امت میں اجتہاد آیا تو اس کے دشمن بھی پیدا ہو گئے۔ تو یہ تہترواں فرقہ اس امت میں اس لیے ہے پہلی امتوں میں اجتہاد کی نعمت نہیں تھی۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی (ت 671ھ) سورت الاعراف کی آیت نمبر 145 ﴿ وَ كَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَابِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَ تَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ ۖ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَ أْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۗ وَسَأُورِيكُمْ دَارَ الْفُسْقَيْنِ (۱۴۵) ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فَإِنَّهُ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُمْ اجْتِهَادٌ ، وَإِنَّمَا خُصَّ بِذَلِكَ أُمَّةٌ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

(الجامع لاحکام القرآن: سورت الاعراف آیت 145)

ترجمہ: پہلی امتوں میں اجتہاد نہیں تھا۔ اجتہاد کی دولت خاص امت محمدیہ کو عطا ہوئی ہے۔

## دین، مسلک، مذہب، منہج

### دین:

منصوصات قطعیات کا نام ہے جن کا انکار کفر ہے۔

مثال: آیات قرآنیہ، احادیث متواترہ

### مسلک:

منصوصات ظنیات کا نام ہے جن کا انکار اہل السنۃ والجماعۃ سے خروج ہے۔

مثال: اخبار آحاد

فائدہ: منصوصات ظنیہ دو قسم کے ہیں:

### 1: ظنی الثبوت

وہ منصوصات جو ثبوت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی نہ ہوں یعنی ہر زمانہ میں اس کے نقل کرنے والے اس قدر زیادہ نہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹی خبر پر اتفاق کر لینے کو عقل محال سمجھتی ہو۔

مثال: اخبار آحاد، جیسے

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتُوَلِّيَ وَذَهَبَ أَصْحَابُهُ حَتَّى إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَأَقْعَدَاهُ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ، فَيَقَالُ: أَنْظِرْ إِلَى مَفْعَدِكَ مِنَ النَّارِ أَبَدًا لَكَ اللَّهُ بِهِ مَفْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا وَأَمَّا الْكَافِرُ أَوْ الْمُنَافِقُ فَيَقُولُ: لَا أُدْرِي! كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ فَيَقَالُ: لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ ثُمَّ يُضْرَبُ بِمِطْرَقَةٍ مِّنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً بَيْنَ أُذُنَيْهِ فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ إِلَّا النَّفْلَيْنِ."

(صحیح البخاری: ج 1 ص 178 باب المیت یسمع خفق النعال)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں، ابھی وہ ان جانے والوں کے جوتوں کی آوازیں ہی رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کے پاس دو فرشتے آکر اس کو بٹھا دیتے ہیں، پھر وہ اس سے کہتے ہیں: تم اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہتے تھے؟ وہ کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس کو کہا جاتا ہے: دیکھو تمہارے بیٹھنے کی جگہ دوزخ میں تھی، اللہ نے اس کو تمہارے لئے جنت میں بیٹھنے کی جگہ سے تبدیل کر دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بندہ ان دونوں جگہوں کو دیکھے گا۔ رہا کافر یا منافق تو وہ کہے گا: میں نہیں جانتا، میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے، تو اس سے کہا جائے گا تو نے عقل سے جانا، نہ قرآن مجید کی تلاوت کی، پھر اس کے دونوں کانوں کے درمیان لوہے کے ہتھوڑے سے ضرب لگائی جائے گی جس سے

وہ چلائے گا اور اس کے چلانے کو جن اور انسان کے علاوہ اس کے قریب کی تمام چیزیں سنیں گی۔

## 2: ظنی الدلالت

ایسی نصوص جن کی دلالت کے اپنے مفہوم پر یقینی نہ ہو یعنی اس کا مفہوم حتمی اور واضح نہ ہو، اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال پایا جاتا ہو۔

## مثال: مؤول آیات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۗ﴾

(سورۃ البقرہ: 228)

ترجمہ: اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہے وہ اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

یہاں لفظ ”قُرُوءٍ“ میں احتمال ہے کہ اس سے مراد ”طہر“ کے ایام ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد ”حیض“ کے ایام ہوں۔ اس احتمال کی وجہ سے یہ ظنی الدلالت ہوگی۔

## ملحوظہ:

منصوصات ظنیہ کا انکار اہل السنۃ والجماعۃ سے خروج اس وقت شمار ہو گا جب وہ منصوص ظنی کسی عقیدہ کے بارے میں ہو۔ مذکورہ مثال فرعی مسئلہ کے بارے میں ہے۔ اس لیے اگر کوئی مجتہد اس سے اختلاف کرے تو وہ اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج نہ ہو گا کیونکہ اعتقادی اختلاف کا حکم الگ ہے اور فرعی اختلاف کا حکم الگ ہے۔

## مذہب:

اجتہادیات کا نام ہے۔ جس میں ہر مذہب کے حق اور خطا ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِذَا حَكَّمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَّمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ." "

(صحیح البخاری: ج 2 ص 1092 بابُ أَجْرِ الْحَاكِمِ إِذَا اجْتَهَدَ فَأَصَابَ أَوْ أَخْطَأَ)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جب کوئی حاکم اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد (اللہ کے ہاں) درست ہو تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد

(اللہ کے ہاں) خطا ہو تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔"

مثال: مذاہب اربعہ یعنی حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ

## منہج:

طریقہ کار اور پالیسی کا نام ہے۔

مثال: دیوبند

فائدہ نمبر 1:

”دِينُنَا الْإِسْلَامُ“ ہمارا دین اسلام ہے۔  
 ”مَسَلُّكُنَا أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ“ ہمارا مسلک اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔  
 ”مَذْهَبُنَا الْحَنَفِيُّ“ ہمارا مذہب احناف ہے۔  
 ”مَنْهَجُنَا الدِّيُوبَنْدُ“ ہمارا منہج، دیوبند ہے۔

فائدہ نمبر 2:

- ◆ کبھی مذہب کا استعمال دین پر بھی ہوتا ہے اور کبھی دین کا استعمال پر مذہب بھی ہوتا ہے۔ جیسے بعض فارم میں مذہب کا خانہ ہوتا ہے اور مقصود اس سے ”دین“ کا سوال کرنا ہوتا ہے۔
- ◆ بعض لوگ غلط فہمی کی بناء پر مسالک کے اختلاف کو ادیان کا اور ادیان کے اختلاف کو مسالک کا اختلاف کہہ دیتے ہیں جو کہ درست نہیں۔
- ◆ بعض لوگ غلط فہمی کی بناء پر مذہب کے اختلاف کو ادیان کا اور بعض ادیان کے اختلاف کو مذہب کا اختلاف کہہ دیتے ہیں جو کہ درست نہیں۔

فائدہ نمبر 3:

- ◆ ادیان کا اختلاف؛ یہ حق اور باطل بمعنی کفر اور اسلام کا اختلاف ہے۔
- ◆ مسلک کا اختلاف؛ یہ حق اور باطل بمعنی سنت و بدعت، ہدایت و ضلالت کا اختلاف ہے۔
- ◆ مذہب کا اختلاف؛ یہ حق اور خطا کا اختلاف ہے جو باعثِ رحمت ہے۔
- ◆ منہج کا اختلاف؛ یہ طریقہ کار اور پالیسی کا اختلاف ہے۔

## چند الفاظ میں فرق

### تشدد اور تسدد میں فرق:

**تشدد:** اپنے موقف پر سخت ہونا۔ جیسے لوہے کا زنجیر جو سخت ہونے کے باوجود ٹوٹ جاتا ہے۔

**تسدد:** اپنے موقف پر مضبوط ہونا۔ جیسے ریشم کا رسہ جو نرم ہونے کے باوجود نہیں ٹوٹتا۔

### تعصب اور تصلب میں فرق:

**تعصب:** ضد و عناد کی بنیاد پر اپنے موقف پر پختگی سے کاربند رہنا

**تصلب:** دلائل کی بنیاد پر اپنے موقف پر پختگی سے کاربند رہنا

### فائدہ:

بہتر یہ ہے کہ مسلک حق پر پختگی کو ”تمسک“ کے لفظ سے تعبیر کیا جائے۔ اس لیے کہ حدیث میں ”تمسک“ کا لفظ آیا

ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (ت 275ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

قَالَ الْعَرَبُ بَاضٌ صَلَّى بِنَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةٌ مُودِعٌ فَمَاذَا تَعَهَّدُ إِلَيْنَا؟ فَقَالَ « أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ وَكُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ».

(سنن ابی داؤد: ج 2 ص 290 کتاب السنۃ: باب فی لزوم السنۃ)

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک دن نماز

پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں نہایت موثر انداز میں نصیحت فرمائی جس سے ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے

اور دلوں میں خوف پیدا ہو گیا۔ ایک شخص نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! معلوم ہوتا ہے کہ یہ الوداعی نصیحت ہے، اس

لیے آپ ہمیں کیا وصیت فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے

رہو اور تم کو (مسلمان) امیر کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں اور اس کی باتوں کو سن کر بجالانے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ وہ امیر حبشی

غلام ہو۔ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سارے اختلاف دیکھے گا۔ ایسے وقت میں تم میری سنت اور میرے

ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنا اور دین میں نئی نئی باتیں (یعنی نئے عقیدے اور

نئے عمل) پیدا کرنے سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

## چند کتب

اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد اور اصول عقائد کو پڑھنے، معلوم کرنے اور سمجھنے کے لئے ان کتب کا مطالعہ انتہائی مفید رہے گا۔

- [1]: الفقہ الاکبر۔ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت 150ھ  
(مع شرح الفقہ الاکبر۔ امام علی بن سلطان بن محمد ہروی المعروف ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ ت 1014ھ،  
شرح الفقہ الاکبر۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن)
- [2]: عقیدہ طحاویہ۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ طحاوی رحمہ اللہ ت 321ھ  
(مع شرح عقیدہ طحاویہ۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن)
- [3]: العقائد النسفیۃ۔ امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد بن احمد النسفی الحنفی (ت 537ھ)  
(مع شرح العقائد النسفیۃ۔ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت 792ھ،  
شرح عقائد نسفیۃ۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن)
- [4]: العقیدۃ الحسنیۃ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ت 1176ھ  
(مع شرح العقیدۃ الحسنیۃ۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن)
- [5]: المہند علی المفند۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ ت 1348ھ  
(مع حاشیہ المہند علی المفند۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن)
- [6]: اکفار الملحدین۔ خاتم المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ت 1352ھ
- [7]: عقائد الاسلام۔ شیخ التفسیر والحديث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ ت 1394ھ
- [8]: جواہر الفقہ جلد اول۔ مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ ت 1396ھ
- [9]: العقائد الاسلامیۃ مع اردو ترجمہ اسلامی عقائد۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن
- [10]: کتاب العقائد۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن